تعلیم الایمان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ. (الزمر:٦٧)

اوران لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہیں پہچانی جیسا کہ اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا۔

صفاتِ الٰہی

اَلْحَیُّ، اَلْقَیُّوْمُ، اَلْوَارِث

میں غور وفکر کا طریقہ

dreamstime.

تصنیف

عبداللہ صدیقی

(ریسرچ اسکالر آف ایمانیات)

زیر سرپرستی

مولانا محمد کلیم الدین سلمان قاسمی

(خطیب مسجد نور محمدی، کوکٹ پلی، حیدرآباد)

ناشر

عظیم بک ڈپو، جامع مسجد دیوبند، یوپی، انڈیا۔

حق طباعت غیر محفوظ

(بغیر کسی تبدیلی کی چھپوانے کی عام اجازت ہے)

نام کتاب:۔ صفات الٰہی الحی' القیوم' الوارث میں غور وفکر کا طریقہ

مرتب:۔ عبداللہ صدیقی

زیر سرپرستی:۔ مولانا محمد کلیم الدین سلمان قاسمی

سنہ طباعت:۔ ۲۰۲۳ء مطابق ۱۴۴۴ھ

تعداد اشاعت:۔ 300

کمپیوٹر کتابت:۔ النور گرافکس، حیدرآباد، تلنگانہ۔9963770669

ناشر:۔ عظیم بکڈپو، دیوبند، یوپی، انڈیا۔

☆☆☆☆☆

بچوں میں شعوری اور عقلی اعتبار سے پختہ ایمان پیدا کرنے کیلئے ہماری کتاب "تعلیم الایمان" کے تمام حصے پڑھئے اور پڑھایئے۔ یہ کتابیں عظیم بک ڈپو دیوبند یوپی سے نصف قیمت پر حاصل کرسکتے ہیں۔09997177817

☆ ایک عورت سدھرتی ہے تو ایک خاندان سدھرتا ہے، اور ایک مرد سدھرتا ہے تو ایک فرد سدھرتا ہے، اس لئے لڑکیوں میں ایمان کا شعور بیدار کرنے کے لئے عبداللہ صدیقی کی تربیتی کلاس بغیر معاوضہ کے منعقد کرکے استفادہ کریں۔

تربیتی کلاس کے لئے ربط کریں: 9966992308, 9391399079

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

صفاتِ الٰہی: اَلْحَیُّ وَ الْقَیُّومُ

ہمیشہ زندہ رہنے والا اور کائنات کو سنبھالنے والا

اَللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّومُ لا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ .(البقرہ:۲۵۵)

اللہ! نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس کے، وہ زندہ، قائم رکھنے والا ہے، اُسے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کو انسانوں اور جنات کے لئے امتحان کی جگہ بنایا ہے، وہ اس دنیا میں کسی کو ذات کے اعتبار سے نظر نہیں آتا، اس نے اس امتحان گاہ میں یہ شرط رکھی ہے کہ اس کو بغیر دیکھے پہچانے اور غیب پر ایمان لائے، چنانچہ اس نے انسانوں کو گمراہی سے بچانے اپنی معرفت اور پہچان کو اپنی صفات سے تعلیم دی ہے تاکہ انسان اس کو پہچاننے میں اور ماننے میں غلطی نہ کرے، اللہ کو پہچان کر ماننے کا واحد ذریعہ اس کی صفات ہیں، اس لئے کہ دنیا کی تمام مخلوقات میں اس کی صفات ہی کا اظہار ہے، اگر انسان اللہ کی صفات سے واقف نہ رہے تو اس کی پہچان سے محروم رہ کر شرک میں گرفتار ہو جاتا ہے اور وہ صفات الٰہی کو سمجھے بغیر اور اللہ کی پہچان حاصل کئے بغیر قانونی، فقہی اور باپ دادا کی تقلید میں بے شعوری والا ایمان رکھتا ہے، چنانچہ بہت سے مسلمان اللہ کی معرفت حاصل کئے بغیر اسلام پر چل رہے ہیں اور شرک میں مبتلا ہیں، اور زندگی کے اکثر شعبوں میں توحید اور شرک کے ملاوٹ والے عقائد و اعمال کے ساتھ زندگی گذار کر اپنے آپ کو مسلمان سمجھ رہے ہیں۔

اَلْحَیُّ وَ الْقَیُّومُ سوائے اللہ کے کوئی دوسرا نہیں

’’حَیٌّ‘‘ کے معنٰی عربی اور اردو زبان میں زندہ کے ہیں، اس سے مراد وہ ہمیشہ زندہ، باقی رہنے والا، موت سے پاک ہے، امام طبریؒ فرماتے ہیں کہ حیّ تو اس ذات کے

لئے بولا جاتا ہے جس کا وجود اور جس کی حیات ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہو، اور اسے ایسی بقاء حاصل ہو جس کی ابتداء کی کوئی حد نہ ہو اور نہ ہی اس کی حیات کی کوئی انتہاء ہو، وہ صرف اکیلا اللہ رب العزت ہے، اس کے علاوہ کوئی دوسرا حی نہیں، اس کے مقابلہ ساری مخلوقات مردہ ہیں، یعنی اللہ کی اصلی صفت حیات ہے اور مخلوقات کی اصلی صفت مردہ پن ہے۔

''قَیُّـوْم'' قیام سے نکلا ہے، قیام کے معنٰی ہیں کھڑا ہونا، بغیر کسی فناء اور زوال کے ہمیشہ قائم رہنا، خود قائم رہ کر دوسروں کو قائم رکھنا، سنبھالنا اور سہارا دینا، اللہ ہمیشہ سے قائم ہے اور اسی نے پوری کائنات کو قائم رکھا ہے۔

کوئی چیز اور کوئی مخلوق اللہ کی اس صفت قیوم میں قطعی شریک نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے، اس لئے کہ جو چیز خود زندہ نہ ہو، باقی نہ رہے، وہ اپنی بقاء، سلامتی اور وجود ہی نہ رکھتی ہو، جو کسی دوسرے کے سہارے قائم رہتی ہو، وہ کیسے دوسری چیزوں کو سنبھال سکتی ہے؟ وہ اکیلے اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جو ہمیشہ زندہ رہنے والی ہے اور ساری کائنات کی مخلوقات کو سنبھالے ہوئے ہے۔

خالص توحید سمجھنے کے لئے ان دونوں صفات کو سمجھنا ہوگا

یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں، ان دونوں ناموں کی تفصیل سمجھنے سے اللہ تعالیٰ کی خالص وحدانیت اور توحید کی تعلیم ملتی ہے، یعنی وہی اکیلا ہمیشہ سے زندہ ہے اور اکیلا موجود ہے بغیر تغیرات کے، یعنی پیدائش، موت، تھکان، نیند اور اونگھ سے پاک ہے، اس نے اپنی حیات کو لامحدود سمجھانے کے لئے تھکان، اونگھ اور نیند سے پاک ہونے اور الباقی جیسی صفت کی بھی تعلیم دی، وہ ہمیشہ زندہ رہنے اور ہمیشہ قائم رہنے والا ہے، اور ہر مخلوق کی ابتداء سے آخر تک کی پوری خبر رکھتا ہے، اسی لئے وہ اکیلا نگہداشت اور پرورش کر رہا ہے، مدد کر رہا ہے، ہدایت دے رہا ہے، یہاں تک کہ تمام مخلوقات کے دلوں کے حال سے تک ہر اعتبار سے ہر وقت واقف رہتا ہے، اس کے زندہ رہنے سے دن رات مخلوقات پر رحمتیں برس رہی ہیں اور انہیں نعمتیں مل رہی ہیں، غرض یہ کہ پوری کائنات کے نظام کو وہی

اکیلا اللہ سنبھالے ہوئے ہے۔

حیات، اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے

حیات اس کی ذاتی صفت ہے، اس کو کسی نے حیات عطا نہیں کی، اور نہ کوئی اس کو سنبھالے ہوئے ہے، وہ اپنے آپ سے خود ہی زندہ ہے، اور اپنے ہی بل بوتے پر قائم ہے، وہ اپنی تمام صفات کے ساتھ ہمیشہ سے زندہ ہے، اور تمام صفات کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہے گا، اس کو کسی مدد اور سہارے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

اَلْقَيُّوْم اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے

اَلْقَيُّوْم ایک ایسی صفت ہے جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہے، کائنات کی تمام مخلوقات کو اللہ کی طرف سے حیات عطا کی گئی ہے، اسی وجہ سے ان کی زندگیوں کی مدت مکمل ہونے تک اللہ تعالیٰ ان کو قیام دیا ہوا ہے، تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ ہی کے سہارے اور اسی کے سنبھالنے سے قیام کی ہوئی ہیں، غور کیجئے کہ سات آسمان بنائے، ان کو بغیر سہارے اور پلّر کے اللہ نے کھڑا کیا، لاکھوں کروڑوں سیاروں، ستاروں، چاند اور سورج کو بغیر سہارے اور پلّر کے لاکھوں سالوں سے قیام اور سہارا دیا ہوا ہے، بادل، جس میں لاکھوں ٹن وزن کے پانی کے بخارات اور برف کو حیات دیتا ہے، ان کو ہوا پر سنبھالے رکھتا ہے، گویا سمندر کے سمندر انسانوں کے سروں پر تیرتے رہتے ہیں، سمندروں کے پانی کو زمین پر آنے سے روک کر سنبھالے ہوئے ہے، زمین پر جنگلات، ریگستان، سمندر اور انسانوں کے مکانات جو لوہا، کنکریٹ، سمنٹ اور پتھر کے کافی وزنی اور کئی کئی منزلہ ہوتے ہیں، اور ان کے سامانِ زندگی، ریل گاڑیوں، موٹروں، ٹرکوں کو وہ اپنی صفت قیوم ہی سے سنبھالے ہوئے ہے، اسی طرح انتہائی بلند اور وزنی پہاڑوں کو کھڑا کر کے سنبھالے ہوئے ہے، پھر زمین کے جیسی سات زمینوں کو سنبھالے ہوئے ہے، زمین پر حیوانات، نباتات، جمادات اور معدنیات، وغیرہ سب کو اکیلا سہارا دیا ہوا ہے، پانی کی کشتیوں اور ہوائی جہازوں اور پرندوں کو وہی اکیلا سنبھالے ہوئے ہے۔

اللہ کے علاوہ کوئی قیوم نہیں

اس لئے حیات اور قیام جیسی اللہ کی صفات پر انسان اپنے آپ کو یا کسی اور مخلوق کو تشبیہ نہ دے، قیاس نہ کرے، اس کو مخلوقات جیسا نہ سمجھے، ورنہ شرک میں مبتلا ہو جائیں گے، نہ اس جیسا کوئی حی ہے اور نہ قیوم ہے، اس کی مثل ومثال ہی نہیں، لیس کمثلہٖ شیئ۔

مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ اللہ کے جتنے صفاتی نام ہیں ان کو بندوں کے نام رکھنا ہو تو عبدیت کے ساتھ رکھیں اور اگر کسی انسان کا نام عبدالقیوم ہے تو اُسے صرف قیوم کہہ کر نہ پکارے، اگر کوئی ایسا پکارے تو وہ گنہگار ہوگا، اور جو لوگ سنیں انہیں فوراً اس کی اصلاح کرنا ہوگا، ورنہ سننے والے بھی گنہگار رہوں گے، اس لئے کہ سنبھالنے والی، سہارا دینے والی اور تھامنے والی اکیلی ذات صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، وہی قیوم ہے۔

اللہ کو حیات سے کوئی محروم نہیں کرسکتا

دنیا کے انسانی بادشاہوں کی حکومتوں میں حکومت پر قبضہ کرنے کی خاطر بادشاہ کے کچھ وزیر یا عہدیدار بغاوت کر کے بادشاہ کو قتل کر دیتے ہیں یا اغوا یا قید کر لیتے ہیں، یا حکومت کے کسی علاقہ پر قبضہ کر لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی شہنشاہیت ایسی نہیں، نہ اس کی حیات کو کوئی ختم کرسکتا ہے، نہ حیات سے محروم کرسکتا ہے، نہ اس کو کوئی قتل کرسکتا ہے، نہ کائنات کے کسی حصہ پر قبضہ کر کے ان پر قائم ہوسکتا ہے، نہ اسے سنبھال سکتا ہے، چنانچہ کائنات میں سات آسمانوں اور زمینوں، لاکھوں ستاروں اور سیاروں، ہوا، پانی، سمندروں، فرشتوں، انسانوں، جنوں، حیوانات، نباتات، جمادات، حشرات الارض اور لاکھوں مخلوقات پر کوئی دوسرا نہ ان کو وجود اور حیات دے سکتا ہے، نہ ان پر قبضہ کرسکتا ہے اور نہ ان کو سنبھال سکتا ہے، کائنات کا حصہ تو بہت دور کی بات ہے وہ خود اپنے جسم کے وجود اور حیات کے نظام کے بگڑ جانے پر اپنے آپ کو بھی نہیں سنبھال سکتا، اولاد کو موت آجائے تو ان کو موت سے نہیں بچا سکتا، کسی میں قدرت ہی نہیں کہ وہ کسی کو حیات دے، یا اللہ کی مرضی کے خلاف قیام دے، اللہ ہی کے سنبھالے رکھنے سے کائنات کا نظام

پورے توازن اور اعتدال کے ساتھ چل رہا ہے، ہر کوئی اکیلے اللہ تعالیٰ ہی کا محتاج و مجبور ہے۔

اللہ ہی اکیلا باقی رہنے والا ہے

جب کچھ بھی نہیں تھا تو وہ تھا، اور جب ہر چیز فناء اور ختم ہو جائے گی تو صرف وہی اکیلا باقی رہے گا، اس نے اپنی لامحدود حیات کو سمجھانے کے لئے اپنی ایک صفت الباقی کو ظاہر کیا، جس کے معنٰی ہیں ہمیشہ باقی رہنے والا، جب وہ قیامت برپا کرے گا تو ہر چیز کو فناء کر دے گا، اور پھر جب کچھ بھی نہیں رہے گا تو آواز دے کر پوچھے گا: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ؟ آج کس کی بادشاہت ہے؟ وہ خود ہی جواب میں کہے گا: لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ. اللہ واحد القہار کی بادشاہت ہے، ساری کائنات کی بقاء و فناء اور حیات و موت، اسی اکیلے اَلحیُّ الْقَيُّوم کے اختیار اور قبضۂ قدرت میں ہے۔

اللہ کی صفات کو سمجھنا انسان کے بس کی بات نہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے درمیان مباحثے سے یہ بات ملتی ہے کہ نمرود نے حضرت ابراہیمؑ سے پوچھا: تمہارا رب کون ہے؟ تو آپؑ نے جواب دیا کہ ہمارا رب جس کو چاہے موت دے سکتا ہے اور جس کو چاہے حیات، وہ موت و حیات کا اکیلا مالک ہے، یہ سن کر نمرود نے کہا کہ یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں، پھر اس نے ایک ایسے قیدی کو بلایا جس کو سولی دی جانے والی تھی، اسے سولی کی سزا سے آزاد کر دیا، اور ایک بے گناہ انسان کو پکڑ کر ناحق موت کے گھاٹ اُتار دیا، اس نے اپنی عقل سے موت و حیات کا مطلب ہی غلط سمجھا، اور موت و حیات کی حقیقت کو سمجھے بغیر یہ حرکت کی۔

فرعون نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہی سوال کیا کہ تمہارا رب کیسا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ میرا رب ہر مخلوق کو پیدا کرتا ہے اور پھر زندگی کی ہدایت عطا فرماتا ہے۔

اللہ کی صفت اَلْحَیُّ کا ادراک انسان کے بس کی بات نہیں

جس طرح اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات کو سمجھنا انسان کے لئے آسان نہیں، پھر بھی بہت ساری صفات مخلوقات میں غور و فکر کرنے سے کسی قدر سمجھ میں آسکتی ہیں، مگر اللہ کی

صفات ''الحی والقیوم'' کا ادراک حاصل کرنا انسان کی بس کی بات نہیں۔

اللہ ایسا ''حیّ'' ہے کہ وہ جب کسی چیز کو حیات اور وجود دینا چاہتا ہے تو لفظ ''کن'' کہتا ہے تو وہ چیز بغیر اسباب کے وجود میں آجاتی ہے، اس نے فرشتوں کو نور سے، جنات کو آگ سے، جانداروں کو پانی کے قطرے سے حیات دے کر وجود دیا، درختوں اور پودوں کو بیجوں میں حیات دیتا ہے، جانداروں کو انڈوں اور ماں کے پیٹ میں حیات دیتا ہے، پھر جانداروں کے جسموں میں خلیات کو بغیر ماں باپ اور بغیر نر و مادہ کے حیات دے کر وجود دیتا ہے۔

اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے وجود میں لایا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے وجود دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصاء کی لکڑی کو حیات دے کر سانپ بنا کر دوڑا دیا، سمندر کے پانی کو بنی اسرائیل کے لئے راستہ بنا کر قیام دیا، حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ میں چاند جیسی چمکدار روشنی کو حیات دی، حضرت عیسیٰؑ کے معجزات میں مٹی کے پرندوں کو حیات دے کر اڑا دیا، مردوں کو حیات دے کر ان سے بات کروا دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پتھروں اور درختوں کو حیات دے کر رسول ﷺ کو سلام کروا دیا، درختوں کو حیات دی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے لئے ریگستانی میدان میں اپنے مقام سے چل کر آسرا بن گئے، پھر واپس اپنی جگہ چلے گئے، کنکریوں کو ایسی حیات دی کہ وہ ابو جہل کے ہاتھ میں کلمہ پڑھ کر حضور اکرم ﷺ کی شہادت دی، مسجد نبوی کے کھجور کے تنے کو ایسی حیات دی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ممبر پر چلے جانے سے بچوں کی طرح ہچکیاں لے لے کر رونے لگا، ابر کو حیات دی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے لئے سخت ریگستانی دھوپ میں سایہ بن کر ساتھ چلتا تھا۔

زمین کو حیات دی تو وہ قارون کو اس کے خزانوں کے ساتھ نگل گئی، اللہ نے زم زم کے کنویں کے پانی کو ایسی حیات دی کہ وہ صدیوں سے کروڑہا انسانوں کو اپنا پانی دے رہا ہے، ابرہہ کے لئے ابابیل کی لائی ہوئی کنکریوں کو ایسی حیات دی کہ وہ اس کی فوج پر بندوں کی گولیوں سے بھی زیادہ خطرناک بن کر گریں۔

وہ جب موت وحیات دینا چاہتا ہے تو مردہ سے زندہ کو اور زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے، انڈے سے مرغی کو اور مرغی سے انڈا نکالتا ہے، بیج سے پودا اور پودے سے بیج نکالتا ہے، خلیہ سے جاندار اور جاندار سے خلیہ نکالتا ہے، پھر زندہ خلیہ کو مردہ بنادیتا ہے، ترکاری، غلہ، اناج اور گندگی میں بغیر نر ومادہ کے کیڑوں کو حیات دے کر پیدا کرتا ہے۔

صفت القیوم کا بھی ادراک کرنا انسان کے بس کی بات نہیں

وہ جب کسی کو سہارا اور قیام دیتا ہے اور اس کا وجود باقی رکھنا چاہتا ہے تو کوئی بھی مخلوق اسے فناء اور ختم نہیں کرسکتی، اس نے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں زندہ قیام کرایا، حضرت یونسؑ کو مچھلی کے پیٹ میں زندہ قیام دیا، اصحابِ کہف کو ۳۰۰ سال نیند میں قیام دیا، حضرت موسیٰؑ کو قتل سے بچا کر فرعون ہی کے گھر میں قیام دیا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو غارِ ثور میں قیام دیا، پھر حفاظت کے ساتھ مدینہ ہجرت کروادی، حضرت عیسیٰؑ کو زمین سے زندہ آسمان پر اٹھا کر قیام دیا، حضرت یوسفؑ کو کنویں سے نکال کر مصر میں پہنچا کر حکومت کے ساتھ قیام دیا، بنی اسرائیل کو بغیر جنگ کے فرعون کو غرق کر کے اس کا مال ودولت اور سلطنت عطا کردی، بیشک وہی اکیلا ''الحی القیوم'' ہے، اس جیسی قدرت کسی میں نہیں، اسی کے قیوم ہونے کی وجہ سے جب تک اس کی مشیت ومرضی ہوگی دنیا قائم رہے گی، اور جب وہ حضرت اسرافیلؑ کو حکم دے گا تو دنیا کا وجود ختم اور مخلوقات کو فناء کر کے قیامت قائم کردے گا۔

وہ ایسا حیّ وقیوم ہے کہ جب وہ چاہتا ہے کسی انسان کی آنکھوں کی حیات ختم ہوجائے تو وہ اندھا ہوجاتا ہے، جب وہ چاہتا ہے کہ کانوں کی سماعت ختم ہوجائے تو وہ بہرا ہوجاتا ہے، جب وہ چاہتا ہے کہ زبان کی حیات ختم ہوجائے تو زبان سے گفتگو نہیں ہوسکتی، جب اس کا حکم ہوتا ہے کہ دانتوں کی حیات ختم ہوجائے تو دانت گرجاتے ہیں، جب وہ حکم دیتا ہے کہ دماغ کی حیات ختم ہوجائے تو انسان کا دماغ سارا علم اور نام تک بھول جاتا ہے، جب وہ چاہتا ہے کہ ہاتھ اور پاؤں کی حیات ختم ہوجائے تو انسان چل پھر نہیں سکتا، رعشہ

پیدا ہو کر کسی چیز کو پکڑ بھی نہیں سکتا، جب انسان بوڑھا ہو کر موت کے قریب ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے قیام کو دنیا سے ختم کرنے کے لئے بوڑھاپے کے قریب غذاؤں، پھلوں، ترکاریوں اور طاقت کی دواؤں میں وٹامن اور پروٹین کی حیات ختم کر دیتا ہے، جس کی وجہ سے انسان کو بڑھاپے میں کوئی طاقت وتوانائی نہیں ملتی، شفاء نہ دینا ہو تو دواؤں میں سے حیات ختم کر دیتا ہے، جس سے صحت اور حیات نہیں ملتی، پھر ہوا موجود ہونے، ناک اور پھیپڑے کھلے رہنے، آکسیجن کے سیلنڈر استعمال کرنے، وینٹلیٹر پر رکھنے کے باوجود دل کی حیات کو ختم کر دیتا ہے، تو دل کی دھڑکن بند ہو کر خون بھی حیات سے محروم ہو جاتا ہے، اور دنیا سے جاندار کا قیام ختم کر دیتا ہے، زمین کی حیات کو ختم کر دے تو زمین پیداوار اُگانے سے مردہ ہو جاتی ہے، اس لئے اس کے عطا کرنے سے تمام مخلوقات کو حیات وقیام ملتا ہے، ورنہ کوئی مخلوق اپنی طاقت سے حیات وقیام نہیں کر سکتی۔

اللہ تعالیٰ نے الحی و القیوم ہونے کے ناطے صرف انسانوں ہی کو حیات نہیں دی؛ بلکہ کائنات کی ہر مخلوق کو حیات دی

اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تمام مخلوقات کو ایک خاص مدت تک حیات دی ہے، انسان سمجھتا ہے کہ حیات صرف انسان، جنات، حیوان اور فرشتوں ہی کو دی ہے، بلکہ اللہ نے نباتات، معدنیات، زمین، آسمان، ہوا، پانی، سمندروں، پہاڑوں، چاند، سورج، ستاروں، سیاروں، جنت اور دوزخ سب ہی کو حیات دی، تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کی پہچان رکھتی ہیں اور ہر گھڑی اور ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء، تسبیح، پاکی اور ذکر کرتی رہتی ہیں اور اللہ ہی کی عبدیت و بندگی کرتی رہتی ہیں، ان کا اللہ کا ذکر کرنا اور عبدیت وبندگی کرنا، ان کی حیات کا ثبوت ہے۔

قیامت کے دن زمین، انسانوں کے تمام نیک اور بداعمال کے فوٹو ظاہر کرے گی اور خبریں بیان کرے گی، انسان کے اعضاء خود اس کی بداعمالیوں پر گواہی دیں گے، درخت، پہاڑ اور پتھر انسان کے اذان دینے پر گواہی دیں گے، جانوروں پر جو مالک نے ظلم کیا وہ اپنے مالک سے اس کا بدلہ لیں گے۔

حضرت داؤد علیہ السلام جب اللہ کی حمد وثناء کرتے تو پرندے، درخت اور پہاڑ بھی ان کے ساتھ اللہ کی حمد کرتے ہوئے ان کے لحن میں اپنی آواز ملاتے تھے۔

انسان کسی چیز کو بھی حیات وقیام دینے کی طاقت نہیں رکھتا

اللہ کی مرضی کے بغیر کوئی مخلوق کسی دوسری مخلوق کو حیات وقیام نہیں دے سکتی، انسان اللہ کی پیدا کردہ چیزوں کو لیکر ان کی مدد سے اللہ کی تخلیق کی نقل کرتا ہے، چنانچہ اللہ کے پیدا کردہ رامٹیریل سے کچھ چیزیں بنالیتا ہے، انسانی دماغ کی صلاحیت کا تھوڑا سا علم جان کر اس کی نقل میں کمپیوٹر بنایا، جانداروں کے رحم کے نظام کی نقل کر کے مرغی اور مرغ سے پیدا ہونے والے انڈوں کو مشین میں رکھ کر چوزے نکال رہا ہے، ویسے بہت سارے انڈے گندے بھی ہو جاتے ہیں، بغیر مرغ کے مرغی فیڈ کھا کر انڈے دے تو ان کو مشین میں رکھ کر چوزے نہیں نکال سکتا، لاکھوں روپئے خرچ کر کے اللہ کی پیدا کردہ چیزوں کو استعمال کر کے بجلی بنا کر مشین سے کسی چیز کو روبوٹ بنا کر چلاتا، جبکہ وہ بیاٹری اور ڈاٹا بھرے بغیر چل نہیں سکتی، اس کو حیات نہیں کہتے، انسان اپنا کوئی بھی مشین بغیر پٹرول، بیاٹری اور بجلی کے نہیں چلا سکتا۔

دنیا کی زندگی کی حیات انسانوں کو امتحان کے لئے دی گئی ہے

اللہ تعالیٰ انسانوں اور جنات کے لئے دنیا کو امتحان کی جگہ بنایا اور مختصر مدت کے لئے دنیا میں قیام عطا کرتا ہے، اس امتحان کے لئے انسان کو شر اور خیر کی آزادی دی ہے، انسان کو اختیار دیا ہے کہ وہ چاہے تو اپنی زندگی خیر والی بنالے یا شر والی بنالے، اگر انسان اپنی زندگی کا صحیح استعمال کرے گا تو اس کی زندگی خیر والی بنے گی اور غلط استعمال کرے گا تو اس کی زندگی شر والی بنے گی، اسی پر آخرت میں اس کی کامیابی وناکامی کا دارومدار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کو آخرت کی تجارت کی جگہ بنادیا ہے، جس طرح انسان دنیا کی تجارت میں نفع یا نقصان اٹھاتا ہے، اسی طرح آخرت میں اپنے اچھے یا برے اعمال سے کامیابی یا ناکامی اٹھائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا آخرت کی کھیتی ہے، جو یہاں بوئیں گے

وہی چیز وہاں کاٹیں گے، جس طرح انسان دنیا میں ببول اور کیکر کا بیج بوکر آم اور سیب کا درخت اور پھل حاصل نہیں کرسکتا، اسی طرح ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ انسان دنیا کی زندگی میں کڑوے کسالے کیڑ والے، بدبودار اور کانٹے دار پودوں کے بیج لگا کر آخرت میں پاکیزہ میٹھے خوشبودار اور مزے دار صحت مند درخت کے پھل اور غذاؤں کو حاصل کرے، اس لئے جو چیز انسان دنیا میں بوئیں گے اسی چیز کا پھل آخرت میں پائیں گے۔

اللہ خالق ہونے کے ناطے جس طرح ہر مخلوق میں اس کی صفت تخلیق نظر آتی ہے، صفت رب، صفت ہادی، صفت رحم، صفت علیم، صفت مصور، صفات سمیع وبصیر کا اظہار ہوتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ حی و قیوم ہونے کے ناطے کائنات کے ہر ذرہ ذرہ میں اپنی صفت حی سے حیات عطا کیا ہے اور ہر مخلوق کو اپنے منصوبے کے تحت حیات و قیام دیتا ہے، ہر ذرہ میں ان دونوں صفات کا اثر رکھا ہے۔

دنیا نیکی اور بدی کے بیج لگانے کی جگہ ہے

اس لئے اس نے انسان کو صرف حیات ہی عطا نہیں کیا بلکہ اس کے ہر عمل کو بھی آخرت کے دن حساب کتاب کے لئے حیات عطا کی ہے، اسی لئے اس نے انسانوں کے اچھے برے اعمال کو حیات دے کر ان کو دنیا میں بیج کی حیثیت دی اور آخرت یعنی جنت یا دوزخ میں پرورش پانے کا ذریعہ بنا دیا، اس کی وجہ سے انسانوں کے نیک و بد اعمال کو حیات عطا فرمائی اور ہر عمل کی حیات و قیام کی مدت مختلف رکھا، کسی عمل کا اثر دنیا میں فوراً ظاہر کردیتا ہے، کسی عمل کا اثر کئی برس بعد ظاہر کرتا ہے، اور کسی عمل کا اثر دنیا میں ظاہر نہ کرکے مرنے کے بعد آخرت میں ظاہر کرے گا، اس لئے انسان جو بھی عمل کرتا ہے وہ عمل کرتے ہی ختم نہیں ہوجاتا، چنانچہ بہت سے اعمال ایسے ہیں جن کے اثرات دنیا میں ظاہر نہ کرکے ان اعمال کو جنت یا دوزخ میں حیات دے کر پرورش کرتا ہے، یعنی نیک اور بد اعمال کو جنت یا جہنم میں قیام عطا کرتا ہے، جس کی وجہ سے وہ اعمال پودوں کی طرح سے پرورش پا کر گھنے درختوں کی شکل میں جنت یا جہنم میں ظاہر ہوں گے اور اپنا اثر دکھائیں گے۔

آخرت، اعمال کے مکمل بدلہ پانے کی جگہ ہے

اگر انسان دنیا کی زندگی میں نیکی کے پودے اور درخت لگائے گا تو اللہ تعالیٰ ان پودوں اور درختوں کے اثرات کو خیر کی شکل میں حیات دے کر ان کے اثرات اور پھل قیامت تک دوسرے انسانوں کی روحانی غذاء بنا کر فائدہ اٹھانے کے قابل بنا دیتا ہے، جس سے دوسرے انسان بھی خیر اور بھلائی والی زندگی سیکھتے اور اپنی آخرت سنوارتے ہیں اور پھر ان نیکیوں کے پودوں اور درختوں کو پروان چڑھا کر حیات دے کر جنت میں مکمل پرورش دیتا ہے تا کہ انسان کو اپنی نیکیوں کا مکمل بدلہ اور انعام ملے، اس لئے وہ انسان کے مرتے ہی جنت یا دوزخ کا فیصلہ نہیں کرتا، ورنہ انصاف مکمل نہیں ہوتا اور جنتی کو اپنے نیک اعمال کا پورا پورا اجر وثواب نہیں ملتا، جنتی انسان کے نیک اعمال جنت میں حیات پا کر اپنے مکمل اثرات اور پھل مختلف نعمتوں کی شکل میں ظاہر کریں گے۔

جنت باغ کو کہتے ہیں، وہاں اعمال کے درخت سونا، چاندی، مشک وعنبر، یاقوت و مرجان کے محلات اور ہر قسم کے پھل پھلاری، عمدہ لذیذ غذاؤں، پاکیزہ شراب، دودھ اور شہد کی نہروں کی شکل میں عزت دار طریقے سے اپنا اثر دکھائیں گے، ان اعمال کی حیات کا اثر یہ ہوگا کہ جنتی ہمیشہ جوان ہی جوان رہے گا، کبھی اس پر بوڑھاپا نہیں آئے گا، نہ موت آئے گی، بے عزتی، پریشانی، بیماری، کمزوری نہیں آئے گی، نہ بول و براز اور آنکھ ناک کی گندگی و ناپاکی ہوگی، جنتی کو جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کی پاکیزہ حیات ملے گی۔

اس کے لئے ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی زندگیوں کو پڑھتے سمجھتے ہیں، جنہوں نے اپنی زندگیوں میں نیکیوں کے پودے دنیا میں لگا کر گئے، اور انہوں نے خیر والی تجارت کر کے دنیا میں نہ رہنے کے باوجود نفع حاصل کرنے کا سودا کیا، اور اپنی اس تجارت میں وہ کامیاب ہو گئے، اللہ ان سے راضی ہو گیا، انشاء اللہ آخرت میں ان کو ہمیشہ ہمیشہ کی پاکیزہ حیات اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔

دنیا کی اس زندگی میں جو انسان برائی اور گناہ کے شر والے پودے اور درخت

لگائے گا تو اللہ تعالیٰ ان پودوں اور درختوں کو حیات دے کر ان کے اثرات کو قیامت تک جاری رکھے گا، اس سے دوسرے انسان شر وفساد اور خسارے والی زندگی سیکھیں گے، اور دنیا میں شر اور فساد پھیلا کر نقصان اور گھاٹے والی تجارت کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کے پودوں اور درختوں کو جہنم میں مکمل حیات دے کر ان کے گناہوں اور بداعمالیوں کا پورا پورا بدلہ اور سزا دینے کا انتظام کرے گا۔

جہنم گنہگاروں کے لئے جیل خانہ ہے اور اس میں تکالیف ہی تکالیف ہیں

جس سے ایک جہنمی انسان کا جسم اپنے گناہ کے اعمال کے سبب مکہ اور مدینہ کے درمیانی فاصلہ کے برابر ہوجائے گا اور احد پہاڑ کے برابر اس کے دانت اور جبڑے ہوں گے، اس کے گناہوں کے اعمال کے مکمل اثرات جہنم میں اوپر نیچے آگ ہی آگ کی شکل اختیار کریں گے، اس کی بداعمالیاں کڑوے کسیلے، بدبودار، کانٹے والے اور بدمزہ پھلوں اور غذاؤں کی شکل میں ملیں گے، زانی، شرابی انسانوں کی شرم گاہوں سے نکلنے والا پیپ اور خون پینے کو ملے گا، گرم کھولتا ہوا تیل کی طرح پانی سر پر سوراخ بن کر جسم میں داخل ہوگا، اس کی بداعمالیاں، اونٹوں اور گھوڑوں کے قد وقامت کے، سانپ اور بچھو بن جائیں گے، جن کے ڈسنے سے ۴۰/سالوں تک زہر کا اثر رہے گا، وہ اس کو لپٹ جائیں گے، اس کی بداعمالیوں کے اثرات سے غم، بے عزتی، مصیبت ہی مصیبت، ناپاک، گندگی اور عذابات والی زندگی ہوگی، اس لئے کہ اس نے دنیا میں ان ہی اعمال والی تجارت کی ہوگی، جس میں ہم ابوجہل، ابولہب، فرعون، ہامان، قارون، نمرود، قوم عاد اور قوم ثمود کی زندگیوں کے عبرت ناک واقعات پڑھتے سنتے رہتے ہیں، جنہوں نے حق کا انکار کر کے شر اور فساد والی زندگی کی تجارت کی تھی اور دنیا میں برائی کے بیج اور پودے لگا کر گئے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَمَن يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ ٥ وَمَن يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ٥ (سورۃ الزلزال:۷،۸)

ترجمہ: جس نے ذرّہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرّہ برابر برائی کی

ہوگی تو وہ اُسے دیکھ لے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب انسان سبحان اللہ کہتا ہے تو جنت میں ایک گھنا درخت لگتا ہے، اس لئے جنت یا دوزخ میں انعام یا سزا دراصل دنیا میں انسانوں کے اعمال ہی کی کمائی اور بدلہ ہے، جیسے قرآن مجید نے انسانوں کا کسب کہا ہے اور یہ کمائی آخرت میں مختلف شکلوں میں اعمال ہی کے نتیجے میں ظاہر ہوگی، ورنہ اللہ کو انسانوں کو جہنم میں سزا دینے سے کوئی فائدہ، مزہ اور خوشی نہیں، نہ لذت آتی ہے، وہ اپنے بندوں کا دشمن نہیں ہے، وہ تو بے انتہاء محبت کرنے والا، رحیم وکریم ہے، بندوں کو معاف کرنا چاہتا ہے، سکرات تک توبہ کا موقع رکھا، شرط صرف یہ ہے کہ بندہ اپنے اعمال سے اس کی محبت و رحمت حاصل کرنے کا ضابطہ اور طریقہ اختیار کرلے، اس نے انسانوں کے نیک اعمال کے حیات پانے کی جگہ جنت بنائی اور برے اعمال کے حیات پانے کی جگہ جہنم بنائی۔

انسان کی نیکی وبدی، خوبصورت یا بدصورت شکل اختیار کرکے یا تو انسان کی سواری بنے گی یا خود اس پر سوار ہو جائے گی

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَنِ وَفْداً ○ (مریم:۸۵)

جس دن ہم اکٹھا کرلائیں گے پرہیزگاروں کو رحمٰن کے پاس مہمان بنا کر۔

لِيَحْمِلُواْ أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (النحل:۲۵)

اور وہ قیامت کے دن اٹھائیں گے اپنے بوجھ اپنی پیٹھوں پر۔

حضرت عمرو بن قیسؒ ان آیات کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ جیسے ہی انسان قبروں سے اٹھے گا، اگر وہ جنتی ہوگا تو اس کے قریب ایک انتہائی خوبصورت چاند جیسے حسین چہرے والا پاک صاف سفید لباس میں خوشبو سے معطر، سر پر چمکدار تاج والا، بزرگ شکل میں قریب آکر سلام کرے گا اور اس کا استقبال کرے گا اور کہے گا کہ کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ وہ جنتی آدمی کہے گا: نہیں! اور سمجھے گا کہ شاید اللہ نے کسی فرشتے اور نیک بزرگ کو بھیجا ہوگا، وہ روشن چہرے والا کہے گا کہ اللہ نے تمہارے نیک اعمال کو میری صورت میں جسم دے کر

تمہیں نجات کی خوشخبری دینے کے لئے بھیجا ہے اور میں تمہارے نیک اعمال کی شکل ہوں، آج آپ مجھ پر سوار ہو جائیں تا کہ میں آپ کو اپنے اوپر سوار کروا کر میدانِ حشر میں لیجاؤں، جنتی آدمی کہے گا کہ نہیں مجھے تم پر سوار ہونے میں شرم آرہی ہے، مجھے زیب نہیں دیتا کہ میں تم پر سوار ہوں، آپ بزرگ ہیں، یہ بے ادبی ہے، تب روشن چہرے والا کہے گا کہ تم نے مجھے دنیا کی زندگی میں ہمیشہ اپنے اوپر سوار رکھا اور میں دنیا میں تمہارے اوپر ہمیشہ سوار رہا اس لئے اب میں تمہاری سواری بنوں گا، آپ اب مجھ پر سوار ہو جائیں، وہ روشن چہرے والا زبردستی جنتی انسان کو اپنے کاندھوں پر بٹھا کر حشر کے میدان کی طرف لیجائے گا، یہ نیک لوگوں کے لئے رحمٰن کی مہمان نوازی اور استقبال اور عزت افزائی تب سے شروع ہو جائے گی، گویا یہ اللہ کے فرمان کی تفسیر ہے۔

جو انسان ناکام اور جہنمی ہوگا وہ قبر سے نکلتے ہی اس کے قریب ایک انتہائی ڈراؤنی، سیاہ آنکھیں، نیلی بدشکل و بدصورت، بدبودار سیاہ لباس والا انسان آئے گا، جہنمی سمجھے گا کہ شاید کوئی شیطان اور بدروح ہے، نفرت سے منہ پھیرتے ہوئے اس سے دور ہونے کے لئے کہے گا، تو وہ بدصورت و بدبودار انسان اس سے کہے گا کہ تو میرا ہے اور میں تیرا ہوں، جہنمی کہے گا: خدا تجھے ہلاک کرے! تو شیطان ہے، وہ کہے گا میں کوئی شیطان نہیں، تیرے بُرے اعمال ہوں، اللہ نے تیرے گناہوں کو میری شکل دیدی ہے، جہنمی کہے گا کہ تو مجھ سے کیا چاہتا ہے؟ تو وہ کہے گا کہ تو نے دنیا میں زندگی بھر مجھ پر خوب سوار ہو کر زندگی گذاری ہے، ہمیشہ تو مجھ پر سوار رہتا تھا، اس لئے اب مجھے تجھ پر سوار ہونا ہے، جہنمی کہے گا کہ مجھے چھوڑ دے! کیا تو مجھے لوگوں کے سامنے بے عزت اور ذلیل ورسوا کرنا چاہتا ہے، وہ بدصورت آدمی زبردستی اس جہنمی انسان کے کندھوں کو جھکا کر سوار ہو جائے گا، اور اس جہنمی کے کندھوں پر بیٹھ کر میدانِ حشر کی طرف لے چلے گا، یہ دراصل اللہ کے فرمان کی تفسیر ہے کہ کافر اپنے گناہوں کو اپنی پیٹھ پر اُٹھائیں گے۔

☆ حضرت زید بن اسلمؒ کو ایک روایت یہ ملی ہے کہ نیک عمل حسین، خوبصورت اور خوشبو

دار بن کر جنتی کی قبر میں پہلو میں بیٹھا رہے گا، جب کبھی جنتی انسان گھبرائے گا تو یہ پہلو میں بیٹھ کر اس کو تسلی دے گا اور بے خوف ہونے کی تلقین کرے گا، نیک انسان اس سے پوچھے گا کہ تم کون ہو؟ تو وہ کہے گا: میں تمہارا نیک عمل ہوں، تم مجھے نہیں جانتے؟ میں دنیا میں بھی تمہارے ساتھ تھا، قبر میں بھی تمہارے ساتھ ہوں، اللہ نے تمہیں ڈر سے بچانے کے لئے مجھے یہاں رکھا ہے۔

وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوا بِمَفَازَتِهِمْ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ "اور جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے، اللہ اُن کو نجات دے کر اُن کی مراد کو پہنچا دے گا، اُنہیں کوئی تکلیف چھوئے گی بھی نہیں اور نہ انہیں کسی بات کا غم ہوگا۔" (الزمر: ٦١)

نیک عمل کہے گا کہ تو نے مجھے دنیا میں پاکیزہ بنائے رکھا، گندہ و ناپاک ہونے سے بچا لیا اس لئے اللہ نے مجھے خوبصورت اور پاکیزہ بنا دیا، نیک انسان اس کو دعائیں دے گا، پھر وہ اُسے اپنے اوپر سوار ہونے کی درخواست کرے گا۔

اس کے برعکس جہنمی کے اعمال کو اللہ تعالیٰ بدترین و بدشکل بدبودار جسم میں تبدیل کر کے جہنمی کے پہلو میں بٹھائے گا، جب بھی جہنمی گھبرائے گا، خوف زدہ ہوگا اور چیخیں مارے گا، یہ بازو سے اس کے خوف اور گھبراہٹ میں مزید اضافہ کرے گا اور وہ مزید خوف و گھبراہٹ میں مبتلا ہو جائے گا، جہنمی کہے گا: تو کون ہے؟ تُو تو بہت بُرا ساتھی لگتا ہے، وہ کہے گا: کیا تو مجھے نہیں جانتا؟ میں تیرا بُرا عمل ہوں، تیرا عمل بُرا تھا اس لئے اللہ نے مجھے یہ شکل دی ہے، تیرا عمل بدبودار تھا اس لئے میں بدبودار ہوں، تو نے مجھے بھی بدبودار کر دیا، اپنا سر نیچے کر اب میں تجھ پر سوار ہو جاؤں گا، اس لئے کہ تو نے دنیا میں زندگی بھر مجھ پر سواری کی یعنی مجھ پر سوار رہا ہے۔

لوگوں کو حشر کے میدان میں تین طرح سے لایا جائے گا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا: لوگوں کو قیامت کے دن تین طرح سے میدان حشر میں لایا جائے گا، (۱) سوار (۲) پیدل (۳) چہروں کے بل، کسی نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! کیا وہ اپنے چہروں کے بل چلیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس ذات نے انہیں قدموں پر چلایا ہے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ انہیں چہروں کے بل چلائے۔ (بیہقی)

غور کیجئے دنیا میں بعض جانور پیٹ کے بل یا بغیر پیروں کے چلتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک پودا لگا رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ کس کے لئے درخت لگا رہے ہو، عرض کیا: اپنے لئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں اس سے بہتر درخت نہ بتاؤں؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ضرور بتائیں، حضور ﷺ نے فرمایا: کہو! **سبحان الله والحمدلله و لا الٰـه الا الـلـه و الله اكبر**، یہ کہنے پر ہر کلمے کے بدلے تمہارے لئے جنت میں ایک درخت لگایا جائے گا۔ (ابن ماجہ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو کلمے ایسے ہیں ان میں سے ایک تو عرش تک پہنچ کر ہی رکتا ہے، اس سے پہلے اسے کوئی روکنے والا نہیں، اور دوسرا زمین و آسمان کے درمیان کی خلاء بھر دیتا ہے، وہ ہیں لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر۔ اس پر حضرت ابن عمرؓ اتنا روئے کہ آنسوؤں سے ان کی داڑھی تر ہوگئی (انہیں اس بات کا غم تھا کہ مجھے اب تک حضور ﷺ کی یہ بات معلوم کیوں نہ تھی)، پھر فرمایا: ہمیں ان دونوں کلمات سے بہت تعلق اور محبت ہے۔ (حیاۃ الصحابہؓ)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے **سبحان الله العظيم و بحمدهٖ** (عظمت والا اللہ اپنی حمد کے ساتھ پاک ہے) کہا، اس کے لئے جنت میں ایک کھجور کا درخت لگایا جائے گا۔ (ترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ **سبحان الـلـه و بحمدهٖ سبحان الـلـه العظيم**. یہ دو کلمے زبان پر بڑے ہلکے پھلکے مگر میزانِ عمل میں بہت

وزنی اور اللہ کو بہت محبوب ہیں۔

زکوٰۃ نہ دینے والوں کا مال سانپ بن کر گلے میں لٹکا رہے گا۔(اٰل عمران)

قرآن مجید میں ہے کہ جہنم کا ایندھن آدمی اور (گندک) کے پتھر ہوں گے۔

حجر اسود کو قیامت کے دن ایک زبان دو ہونٹ دیئے جائیں گے اور وہ ہر اس شخص کے لئے گواہی دے گا جس نے اس کا استلام کیا ہو یا اس کا بوسہ لیا ہوگا۔(ابن خزیمہ)

قربانی کا جانور بھی سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ پیش ہوگا۔(ترمذی، حاکم)

موت کو بھی مینڈھا بنا کر ذبح کر دیا جائے گا، اعمال سب اللہ کی مخلوق ہیں اور اللہ کے نزدیک ان کی صورتیں مقرر ہیں، ہم دنیا میں مشاہدہ نہیں کر سکتے۔

اب انسان کے اختیار میں ہے کہ وہ اپنی دنیا کی زندگی کو صحیح استعمال کر کے زندہ حیات والی خیر کی زندگی جنت میں بنا لے، یا پھر غلط استعمال کر کے آخرت میں اپنے شر اور گناہوں کے اعمال کو دوزخ میں پرورش پانے کے قابل بنائے اور آخرت کی ناکارہ ناپاک زندگی کی تیاری کرے۔ ایمان کے بغیر جو بھی نیک اعمال کئے جائیں یا اخلاص وللّٰہیت سے خالی، ریاء کاری سے کئے جائیں، وہ بھی جنت میں حیات نہیں پاتے، ان کا مقام بھی دوزخ ہی ہے، البتہ ایمان والے کو آگ میں جل کر اپنے اعمال کی گندگی کی سزا بھگت کر پاک ہونا پڑے گا، تب ہی ایمان کی وجہ سے زندہ حیات والی زندگی اُسے مل سکتی ہے۔

دنیا کی زندگی میں انسان اللہ کو نہ دیکھنے کی وجہ سے اس کو مخلوقات کی طرح حیات والا سمجھ سکتا ہے

دنیا کی اس امتحان گاہ میں اللہ تعالیٰ ذات کے اعتبار سے کسی کو نظر نہیں آتا، اس کو بغیر دیکھے پہچان کر ایمان لانا شرط رکھی گئی ہے، جب بچوں کے سامنے اللہ کا تذکرہ کیا جائے اللہ کو ماننے کی تعلیم دی جائے تو انسان اللہ تعالیٰ کے نظر نہ آنے پر اللہ تعالیٰ کے زندہ ہونے کو اپنے ذہن ودماغ سے مخلوقات کی طرح اللہ کو زندہ سمجھے گا، اور کسی نہ کسی مخلوق کی طرح اللہ کی خیالی تصویر اپنے ذہن ودماغ میں بنا سکتا ہے، اس لئے کہ وہ چونکہ دن رات

اپنے اطراف زندہ مخلوقات کو جسم اور اعضاء رکھتا ہوا دیکھتا ہے، اور ان کے زندہ رہنے' نسل کو جاری رکھنے' اہل وعیال اور اولاد کو دیکھتا ہے اور مختلف جاندار مخلوقات کو پیدائش' بچپن' جوانی اور بوڑھاپے سے گذر کر موت کے حوالے ہوتا ہوا دیکھتا رہتا ہے خود بھی اعضاء سے کام کرتا ہے، اللہ کو بھی اسی طرح کی حیات والا سمجھ سکتا ہے۔

اللہ کو مخلوقات جیسی شکل وصورت والا دماغ میں بھی نہیں خیال کرنا

اس لئے بچے کو سمجھانا ہوگا کہ ہم اپنے دل میں بھی اللہ تعالیٰ کی خیالی فوٹو مخلوقات کی طرح نہیں بنانا، اس لئے کہ ہم اللہ کو دنیا کی زندگی میں اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے، اگر اللہ کو مخلوقات کی طرح حیات والا جان کر مخلوقات کی طرح جسم واعضاء والا سمجھیں گے تو یہ سمجھنا صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ مخلوقات کی حیات میں اور اللہ کی حیات میں کوئی برابری' مشابہت اور یکسانیت اور تقابل ہی نہیں ہے۔

مخلوقات میں بہت ساری کمزوریاں، خامیاں اور خرابیاں ہوتی ہیں، مخلوقات میں عیب، نقائص، محتاجی اور مجبوریاں ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی حیات میں مخلوقات جیسی خرابیوں' کمزوریوں اور محتاجیوں سے پاک ہے، مخلوقات پیدائش اور موت میں مجبور ومحتاج ہیں، وہ پیدائش کے وقت جسم واعضاء کے ساتھ پیدا ہوتی ہیں، پھر مخلوقات کا جسم، خون، ہڈی، گوشت، چمڑی، ہوا، پانی، غذاء اور دواؤں کا محتاج ہوتا ہے، جسم' اعضاء کا محتاج ہوتا ہے، اور اعضاء کو باقاعدہ پرورش کی ضرورت ہے، وہ بچپن' جوانی اور بوڑھاپے سے گذرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مخلوقات کی طرح جسم واعضاء سے پاک ہے، مخلوقات بغیر آنکھوں کے دیکھ نہیں سکتی، بغیر کان کے سن نہیں سکتی، اور بغیر زبان کے بول نہیں سکتی، بغیر پھیپھڑوں کے سانس نہیں لے سکتی، بغیر دماغ کے علم حاصل نہیں کرسکتی، اور بغیر دورانِ خون کے زندہ نہیں رہ سکتی، اللہ تعالیٰ ان تمام محتاجیوں سے پاک ہے، یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی مخلوقات ہیں، اللہ تعالیٰ بغیر آنکھوں کے دیکھ سکتا ہے، بغیر کان کے سن سکتا ہے، بغیر زبان کے بول سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو قیام کے لئے مخلوقات کی طرح جسم نہیں چاہئے، مخلوقات کو زندہ رہنے کے لئے روح اور جان کی ضرورت ہے، اللہ کو حیات کے لئے روح اور جان نہیں چاہئے، روح اور جان اس کی مخلوقات ہیں۔ غور کیجئے کہ کیا خدا خود اپنی مخلوق کا محتاج ہوگا؟ پھر انسان کے جسم میں خون کا دوران کم زیادہ ہوتا ہے، دماغ میں پہلے علم نہیں رہتا، پھر اسے سیکھنا پڑتا ہے، جاندار جب غذاء اور پانی استعمال کرتے ہیں، تو انہیں بول و براز جیسی گندگی خارج کرنے کی محتاجی ہے، جسم کو کام کرنے کے لئے مختلف اعضاء کی محتاجی ہوتی ہے، یہ سب اعضاء اللہ کے بنائے اور پیدا کئے ہوئے ہیں، کیا خدا اعضاء کا محتاج رہے گا؟ اعضاء کو فالج ہوتا ہے، وہ ناکارہ بن جاتے ہیں، کیا خدا کو بھی کوئی بیماری ہوتی ہے، ہرگز نہیں! اگر ایسا ہوا تو وہ خدا نہیں مخلوق ہو جائے گا۔

اگر اسے مخلوقات کی طرح جسم و اعضاء والا سمجھیں گے تو پھر جسم کو ہڈی، گوشت، خون، رگیں، دل و دماغ جیسے اعضاء ہونا ضروری ہوگا، پھر اعضاء کی پرورش کے لئے غذائیں، آکسیجن، پانی کی محتاجی ہوگی، پھر غذاء استعمال کرنے کے بعد بول و براز کی ضرورت ہوگی، بول و براز گندگی و ناپاکی ہے، اللہ تو ہر قسم کی گندگیوں، ناپاکیوں اور محتاجیوں سے پاک ہے، اگر وہ ایسا ہو جائے تو اس میں اور مخلوقات میں فرق کیا باقی رہے گا۔

انسانوں نے اللہ کو مخلوقات کی طرح جسم و اعضاء والا تصور کر کے اپنی عقل کی گمراہی سے ایک فرضی قصہ لوگوں میں عام کر دیا کہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ رات بھر کشتی لڑتا رہا، پھر جب تھک گیا تو ان کو بنی اسرائیل کا لقب دے کر چھٹکارہ حاصل کیا، اور یہ بھی قصہ لکھا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں طوفان کے وقت وہ افسوس کرتے ہوئے خوب رویا کہ میری مخلوقات تباہ ہوگئی، وہ اتنا رویا کہ روتے روتے آنکھیں سوج گئیں، تو فرشتوں نے آکر دلاسہ دیا، خیریت پوچھی، یہ سب انسانوں کے افعال اللہ کے ساتھ جوڑ کر اللہ کو اپنی طرح حیات والا سمجھے اور گمراہی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک چرواہا علم کے صحیح نہ ملنے کی وجہ سے

بکریاں چراتے چراتے اللہ کی یاد میں اپنے ذہن و دماغ سے اللہ کو بھی اپنی طرح حیات والا سمجھا اور اپنے آپ میں کہنے لگا: اے اللہ! میں نے سنا ہے کہ تو اکیلا ہے، تیرا کوئی بیٹا بیٹی اور خاندان نہیں، تو میرے پاس آ، میں تیری خدمت کروں گا، تجھے منہ ہاتھ دھلاؤں گا، تجھے کنگھی کروں گا، تیرے بالوں کو سنواروں گا، تیرے ہاتھ پیر دباؤں گا، حضرت موسیٰؑ نے وہاں سے گذرتے ہوئے اس کی باتیں سنیں، اس کو ڈانٹ کر کہا کہ یہ کیا؟ اللہ کے بارے میں شرکیہ بکواس کررہا ہے، یہ سن کر وہ فوراً خاموش ہوگیا۔

اس لئے اللہ کے ساتھ مخلوقات جیسا جسم و اعضاء کا تصور کرنا شرک ہے اور یہ اللہ کی ذات میں شرک ہوجائے گا، اللہ کی حیات، مخلوقات کی حیات کی طرح بالکل نہیں ہے۔

اللہ کو زندہ جان کر انسانی بادشاہوں پر قیاس کرنا گمراہی ہے

انسانوں کی کثیر تعداد اللہ کو زندہ جان کر انسانی بادشاہوں کی طرح قیاس کرتی ہے اور اللہ کے ساتھ مختلف چھوٹے چھوٹے خداؤں کا تصور قائم کرلیا، وہ سمجھتے ہیں جس طرح دنیا کا انسانی بادشاہ پورے ملک کے انتظامات اکیلا سنبھال نہیں سکتا، اس کے مختلف وزیر اور مددگار ہوتے ہیں اور الگ الگ شعبوں کے انتظامات مختلف چھوٹے چھوٹے خداؤں کو دے رکھتا ہے، اس لئے اتنی بڑی کائنات کا نظام چلانے کے لئے اللہ اکیلا کافی نہیں ہے، کئی خدا اس کائنات کا نظام چلا رہے ہیں، چنانچہ ایسے لوگ اللہ کو زندہ ضرور مانتے، مگر اس کے ساتھ کئی خداؤں کا تصور رکھتے ہیں، اس لئے حی و قیوم سے پہلے فرمایا اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔

پھر اللہ کو انسانی بادشاہوں کی طرح غصہ اور جلال والا سمجھتے کہ جس طرح دنیا کے بادشاہ کے پاس عام رعایا نہیں جاسکتی، اس کے پاس جانے کے لئے اس کے وزیر یا درباری کے ذریعہ جانا پڑتا ہے، اسی طرح اتنی بڑی کائنات کا مالک تو بہت زیادہ جلال اور غصہ والا، کسی سے بات کرنے والا نہ ہوگا، چھوٹی سی انسانی حکومت کا بادشاہ اپنے رعب اور جلال کی وجہ سے عام رعایا کو بغیر کسی سفارش کے نہیں آنے دیتا، تو کائنات کے مالک کے پاس بھی اس کے کسی درباری کے ذریعہ ہی جانے سے فریاد پوری ہوسکتی ہے، اس لئے وہ

واسطے اور وسیلے سے خدا تک رسائی کے لئے کئی کئی چھوٹے خداؤں کا تصور رکھتے ہیں، ان کو بھی خدا کے ساتھ شریک کرتے ہیں، بعض لوگ اس کی مخلوقات کی طرح خیالی شکل بنا کر سو سو ہاتھ اور سو سو سر والا تصور کرتے ہیں، عشق و عاشقی کرنے والا، عورت کی ضرورت رکھنے والا سمجھتے ہیں، اور بعض تو گناہوں سے پاک ہونے کے بعد اس میں مل جانے کا عقیدہ بھی رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اونگھ اور نیند سے پاک ہے

جانداروں کو جسم و اعضاء ہونے کی وجہ سے کام کرنے کے بعد تھکان پیدا ہوتی ہے، اور اونگھ آنا شروع ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ جانداروں کو تھکان دور کرنے ہر دس بارہ گھنٹوں بعد نیند لینا ضروری رکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیند کو موت کی چھوٹی بہن بتلایا۔

نیند سے بیہوشی طاری ہو جاتی ہے اور بھول پیدا ہوتی ہے، گویا نیند کے ذریعہ جاندار کچھ وقت کے لئے بیہوشی اور موت کے حوالے ہو جاتے ہیں، ان کو اپنے اطراف ہی نہیں خود کا اپنا ہوش بھی نہیں رہتا، نیند کو اللہ نے پیدا کیا، اس لئے نیند اللہ کی مخلوق ہے، اللہ تعالیٰ مخلوقات کی طرح جسم و اعضاء والا نہیں ہے، اور وہ تھکان، اونگھ اور نیند سے پاک ہے، اس کو نیند لینے کی ضرورت ہی نہیں، اگر وہ بھی دنیا کے بادشاہوں کی طرح نیند لے تو پھر کائنات کے انتظامات اور مخلوقات کی ضرورتوں کو کون پوری کرے گا، کیا مالک اپنے غلام اور بندوں کا محتاج رہتا ہے؟ اگر اللہ نیند کا محتاج ہو جائے تو پھر وہ مالک کہاں رہے گا؟ وہ نیند کا خالق ہو کر نیند کا محتاج کیوں رہے گا؟ وہ مخلوقات جیسی صفات سے پاک ہے۔

☆ نیند ایک محتاجی اور عیب ہے، اللہ تو ہر عیب اور نقص سے پاک ہے، وہ مخلوقات کی طرح ضرورتوں اور حاجتوں والا نہیں، مخلوقات' ضرورتوں کی محتاج ہوتی ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کے لوگوں نے ان سے سوال کیا تھا کہ اتنی بڑی کائنات اور اس کی لاکھوں مخلوقات کو سنبھالنے اور

قائم رکھنے میں اللہ تعالیٰ کو تھکان اور اونگھ نہیں آتی؟ کیا وہ تھکان کو دور کرنے کے لئے نیند لے کر آرام نہیں کرتا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کو فوراً ڈانٹ کر کہا: یہ کیا بے ادبی کی باتیں تم لوگ کر رہے ہو؟ اللہ کے بارے میں ایسی نادانی اور بے ادبی کی باتیں نہیں کرنا، وہ مخلوق نہیں ہے، اس کو کسی قسم کی حاجتیں نہیں ہیں، وہ تمام نقائص اور حاجتوں سے پاک ہے، تو لوگوں نے کہا: ہم نے اپنی اصلاح کے لئے یہ سوال کیا تھا۔

پھر جب حضرت موسیٰؑ کوہِ طور پر تشریف لے گئے، تو اللہ نے ان سے کہا: لوگ تم سے میرے بارے میں جب ایسا سوال کریں تو ان کو یہ سمجھاؤ، اور آئندہ آتے وقت ایک جلتا ہوا چراغ لاؤ، ہم ان کے سوال کا جواب تمہیں سمجھا دیں گے، پھر حضرت موسیٰؑ اپنے ساتھ ایک چراغ لے گئے، اللہ نے ان کو چراغ ہاتھ میں پکڑے ٹھہرے رہنے کا حکم دیا، جب کافی رات ہوگئی، حضرت موسیٰؑ کو نیند کے جھونکے آنا شروع ہوئے، تو چراغ کو سنبھالنا بہت مشکل ہوگیا، آخر کار نیند کے ایک جھونکے کے ساتھ ہی چراغ ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا اور حضرت موسیٰؑ بھی گر گئے، اور اطراف کی گھاس پھوس میں آگ بھی لگ گئی، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو سمجھایا: جب تم ایک معمولی چراغ کو اپنے ہاتھ میں سنبھال نہیں سکے تو میں تھکان اور نیند والا ہوتا تو یہ کائنات کیسے چل سکتی تھی؟ اگر نیند لوں گا تو اس کائنات کو تھامنے اور سنبھالنے والا کون ہوگا؟ اس کا پورا نظام برباد ہوجائے گا، جاؤ میرے بندوں کو سمجھاؤ کہ ان کا مالک ہمیشہ جاگتا؟ زندہ قائم ہوش کے ساتھ رہتا ہے، کبھی نہیں سوتا۔

اگر اللہ تعالیٰ تھکان، اونگھ اور نیند کا محتاج ہوجائے تو کائنات قائم نہیں رہ سکتی، بربادی اور فساد کے حوالے ہوجاتی، کائنات کی ہر چیز کو ہر لمحہ، ہر سیکنڈ دیکھ بھال کی ضرورت ہے، اللہ کے حیّ و قیوم ہونے کی وجہ سے کائنات کا نظام اتنے ڈسپلین اور اعتدال کے ساتھ چل رہا ہے، اللہ کی بادشاہی وحکمرانی، انسانی بادشاہوں کی طرح نہیں ہے، جس طرح دنیا کے صدر اور بادشاہ کام کر کے تھک جاتے ہیں، ہر دس بارہ گھنٹوں کے بعد نیند لیتے ہیں، آرام کرتے ہیں، تھکان دور کرنے کے لئے سیر وتفریح کرتے ہیں، کھیل کود ناچ گانا میں مصروف ہو کر

جسم کی تھکان دور کرنے کے لئے نیند لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان تمام مجبوریوں سے پاک ہے۔

اگر شہنشاہ کائنات دنیا کے بادشاہوں کی طرح آرام کرنے کے لئے نیند لینے، تھکان دور کرنے کی حاجت رکھتا تو یہ کائنات ایک سکنڈ میں تباہ ہو چکی ہوتی، اس لئے کہ کائنات کی تمام مخلوقات کو ہر گھڑی ہر لمحہ تخلیق کی، ربوبیت کی، رحمت کی، ہدایت کی، حفاظت کی، رزق کی، صبر کی، گناہ سے معافی کی، موت کی پیدائش کی، ایک ہی وقت اور ایک ہی لمحہ میں محتاجی اور ضرورت ہے، اور یہ ضروریات صرف انسانوں ہی کو نہیں تمام مخلوقات کو چاہئے جس کی وجہ سے بیجوں میں نباتات کی پرورش اور انڈوں میں اور ماں کے پیٹوں میں بچوں کی پرورش کی ضرورت ہے، اور یہ ضرورت اللہ کو ہواؤں میں، خلاؤں میں، ریگستانوں میں، جنگلات میں، آسمانوں میں، زمینوں کے اوپر، زمینوں کے اندر، سمندروں میں، پہاڑوں میں، سورج، چاند، ستاروں اور سیاروں میں ہر جگہ ہر مخلوق کی ضرورت پوری کرنا ہے، وہ اگر حی و قیوم نہ ہوتا، ذرا سی دیر کے لئے اونگھ بھی آجائے تو مخلوقات کی پرورش نہیں ہوسکتی تھی، اور نہ وہ اپنی جگہوں پر قائم رہ سکتے ہیں، سارا نظام ٹکرا جاتا، بگڑ جاتا۔

اسی لئے وہ خالق بھی ہے، رب بھی ہے، رحمٰن و رحیم بھی ہے، مالک و حاکم بھی ہے، رزاق بھی ہے، ہادی بھی ہے، علیم و بصیر بھی ہے، سمیع و بصیر اور خبیر بھی ہے، حفیظ بھی ہے، قادر بھی ہے، شہید بھی ہے، عالم الغیب بھی ہے، وغیرہ وغیرہ، اور یہ سب کام اس کو ایک ساتھ ایک ہی وقت، ایک ہی لمحہ میں کرنا پڑتا ہے، اللہ نے نیند اور اونگھ کا خاص طور پر تذکرہ کر کے اپنے بھولنے اور غافل نہ ہونے کا احساس دلایا۔

بائبل کی تحریفات میں ہے کہ خدا نے چھ دنوں میں کائنات کو بنایا اور ساتویں دن تھک کر آرام کیا، اس لئے وہ اتوار کے دن عبادت کرتے ہیں، یہ سب انسان کی بنائی ہوئی اپنی عقل وفہم کی سوچ اور کہانی ہے، وہ خدا کو انسانوں جیسا تھکان و آرام لینے والا سمجھتے ہیں۔

اللہ کو زندہ جان کر مخلوقات کی طرح بیٹا، بیٹی والا نہیں سمجھنا

انسان دن رات مخلوقات میں نسل جاری رہنے کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے، اس لئے وہ

اللہ کو بھی مخلوقات کی طرح حیات والا سمجھ کر اس کو اہل و عیال والا بنا دیا اور حضرت عیسیٰؑ اور حضرت عزیزؑ کو اللہ کا بیٹا بنا ڈالا، انہیں یہ غور کرنا چاہیئے اور اپنی عقل استعمال کرنا ہو گا کہ اولاد اسی کو چاہیئے جس کی زندگی اور حیات محدود ہوتی ہے، جو مختصر مدت کے لئے حیات رکھتا، پیدا ہوتا ہے، اس کے مرنے کے بعد اگر اس کی اولاد نہ رہے تو اس کی نسل کا سلسلہ ہی ختم ہو جاتا ہے، یہ اولاد اور نسل کی ضرورت صرف مخلوقات کو ہے اس لئے کہ ان کی حیات اور زندگی محدود اور مختصر ہوتی ہے، اگر ان کو اولاد نہ ہو تو ان کی نسل دنیا سے مٹ جاتی ہے اور ان کا نام باقی نہیں رہتا، اللہ تعالیٰ تو مخلوقات جیسی حیات اور زندگی سے پاک ہے، اس کو موت کبھی نہیں آتی، وہ مخلوقات کی طرح اولاد اہل و عیال کی حاجتوں سے پاک ہے، اس کو دنیا کا انتظام سنبھالنے کے لئے کسی وارث کی ضرورت ہی نہیں، اولاد کی ضرورت تو انسان کو ہوتی ہے، جو اس کی موت کے بعد اس کی جائیداد سنبھالے۔

انسانوں نے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کو خدا کا خاندان بنا دیا، اور حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا بنا دیا، انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ اللہ نے ان کو پیدا کر کے وجود بخشا اور مختصر مدت کے لئے زمین پر قیام دیا تھا، وہ پہلے نہیں تھے، ان کو تمام انسانوں جیسا جسم اور اعضاء دیئے، وہ دونوں خون، ہڈیوں اور رگوں کا مجموعہ تھے، وہ انسانوں کی طرح پیدا ہوئے، قرآن نے ان کی بندگی کو سمجھانے کے لئے کہا کہ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے، اور اللہ سے دعاء مانگتے تھے، اللہ ان کو موت دے تو کوئی انہیں بچا نہیں سکتا تھا، حضرت عیسیٰؑ کے معجزات کو سن کر ان کو خدا کا اوتار یا بیٹا مانتے ہیں، انہیں سوچنا چاہیئے کہ ان کو ہوا، پانی اور غذاء کی ضرورت کیوں تھی؟ بغیر ان چیزوں کے ان کی زندگی باقی اور قائم نہیں رہ سکتی تھی، وہ اپنے ساتھیوں کے کہنے پر اللہ سے آسمان سے غذاء کا دسترخوان اتارنے کے لئے دعاء کی، آسمان پر اٹھائے جانے سے پہلے وہ اپنے حواریوں کے ساتھ ایک گھر میں چھپے ہوئے دعوت و تبلیغ اور تربیت کر رہے تھے، دنیا میں جتنے انسانوں کو خدا مانا گیا یا ان کے مجسمے بنائے گئے، وہ پیدا ہو کر موت کے حوالے ہو گئے، ان کی زندگی ختم کیوں ہو گئی، وہ زندہ نہیں ہیں،

حضرت عیسیٰؑ کو بھی ایک دن دنیا میں واپس آکر موت کے حوالے ہونا ہے۔

غور کیجئے کہ کیا خدا' یا خدا کا بیٹا زندہ رہنے کے لئے ہوا' پانی اور غذاء جیسی مخلوقات کا محتاج ہوتا ہے، عیسائیوں کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کو اگر سولی دے دی گئی تو وہ سولی پر چڑھ کر خدا سے مدد کیوں مانگے؟ تین دن مرے پڑے رہے تو دنیا کا نظام کیسے چلا؟ کیا خدا کو کوئی قتل کرسکتا ہے؟ اگر خدا کو کوئی قتل کردے' زندہ نہ رکھے تو وہ خدا کہاں رہا؟ وہ تو انسانوں کے ہاتھوں مجبور ومحتاج ہوجائے گا، حضرت عیسیٰؑ کو یہود قتل نہ کرسکے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی حکمت سے زندہ آسمان پر اٹھالیا، جو خود مجبور ہو وہ کسی دوسرے کو سہارا یا قیام کیسے دے سکتا ہے۔

فرضی خداؤں پر موت کیوں آئی؟ وہ فنا کیوں ہوگئے؟

دنیا کی انسانی تاریخ میں جتنے لوگ بھی مخلوقات میں انسان' جانور اور درخت کو خدا مانے یا مان رہے ہیں انہیں عقل استعمال کرنا چاہئے کہ وہ دنیا میں وجود پانے کے بعد ایک مختصر مدت کی زندگی گذارے اور پھر ان کی حیات ختم ہوتے ہی دنیا سے غائب ہوگئے فنا ہوگئے، وہ آخر خدا تھے تو انہیں موت کیوں آئی؟ درخت ہو یا جانور یا انسان وہ زندہ رہنے تک اپنی عمر کی حیات مکمل کرنے تک ہوا، پانی غذا کے بغیر زندہ نہیں رہے، انسانوں کو مرنے کے بعد جلا دیا گیا یا دفن کردیا گیا، پودوں' درختوں کی عمریں ختم ہونے کے بعد ان کی لکڑیاں' پتے ڈالیاں جلادی گئیں، وہ بغیر پانی کے زندہ نہیں رہے، وہ زندہ رہنے تک ہوا، پانی' روشنی اور زمین کے محتاج تھے، آخر وہ خدا تھے تو کہاں غائب ہوگئے؟ دنیا سے فناء کیوں ہوگئے؟ ان کی حیات اب باقی کیوں نہیں ہے؟

کیا خدا مخلوق کے سہارے زندہ رہتا ہے؟ کیا خدا زندہ رہنے مخلوق کا محتاج ہوتا ہے؟ جبکہ خدا خود مخلوق کو پیدا کرتا ہے، وہ مخلوق کو غذا دیتا ہے، خود غذاء نہیں کھاتا، انسانوں کو یہ سوچنا چاہئے کہ انہوں نے جن جن کو خدا کا مقام دیا' کیا وہ پہلے تھے؟ اور زندگی ختم ہونے کے بعد اب باقی کیوں نہیں ہے؟ جو نہ زندہ ہوں اور جو خود قائم نہ ہو بلکہ اپنی زندگی

کے وجود اور قیام میں خدا کے محتاج ہوں تو وہ خدا کیسے ہوسکتے ہیں؟

اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں تو وہ انسانی حیات لے کر پیدا کیوں ہوئے؟ انسانی شکل وصورت اور اعضاء لے کر کیوں پیدا ہوئے؟ ان کے جسم اور اعضاء کی پرورش کے لئے غذاؤں کی ضرورت کیوں تھی؟

ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی دنیا میں انسانوں کی طرح پیدا ہوئے، جس طرح تمام پیغمبر اہل وعیال والے تھے، جسمانی حاجات اور ضروریات رکھتے تھے، جس طرح سب اللہ کے محتاج تھے اسی طرح ہمارے آقا بھی انسان تھے، اور اللہ ہی کے بندے اور غلام تھے، وہ ۶۳ ر سال کی عمر میں اپنی دنیا کی حیات مکمل کر کے انتقال کر گئے، وہ معراج میں جانے کے باوجود خدا نہیں انسان ہی تھے۔

انسان چاہے کتنی ہی ترقی کرلے وہ خدا نہیں بن سکتا، نہ ترقی کر کے خدا میں ضم ہوسکتا ہے، نہ اس میں خدائی صفات پیدا ہوسکتی ہیں، وہ صرف خدا کی چند جمالی صفات کی نقل کرسکتا ہے، جو ذات خود سے زندہ نہ رہ سکے اور جو خود کو قائم نہ رکھ سکے، اس کو خدا کیسے مانا جاسکتا ہے؟ اور اس کی عبادت کیسے کی جاسکتی ہے؟ وہ عبادت کے لائق کیسے ہوسکتا ہے؟ اس لئے ساری مخلوقات نہ اللہ جیسی صفات رکھتی ہیں، نہ وہ ہمیشہ زندہ رہ سکتی ہیں، نہ اپنے وجود کو قائم رکھ سکتی ہیں، جو ذات ہمیشہ سے زندہ وجود رکھتی ہے اور ہمیشہ سے اپنے بل بوتے پر قائم ہو وہ صرف اللہ ہے، جو الحیّ والقیوم کی صفات رکھتا ہے، انسانوں کی سب سے بڑی گمراہی ہے کہ وہ اللہ کی حیات اور اس کے حیّ یعنی زندہ ہونے کو مخلوقات کی طرح تصور کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ پیدائش اور موت سے پاک ہے

اللہ تعالیٰ کو حیات والا مان کر مخلوقات کی طرح پیدائش اور موت والا سمجھنا گمراہی ہے، اگر وہ پیدا ہوا اور موت سے گذرے تو خدا نہیں مخلوق ہو جاتا ہے، اس کو مخلوقات جیسی حیات والا نہ سمجھیں، عام طور پر لوگ مخلوقات کو پیدا ہوتا، بچپن، جوانی، بوڑھاپے سے

گذرتا ہوا اور پھر موت کے حوالے ہونے کو دیکھتے رہتے ہیں، اسی لئے خدا کو بھی مخلوقات کی طرح حیات والا تصور کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو نہ کسی نے پیدا کیا، وہ خود سے زندہ ہے، اور نہ وہ بچہ تھا نہ جوان ہوا، اور اس کی حیات لامحدود ہے، یہ سب تغیرات سے وہ پاک ہے، مخلوقات میں یہ تغیرات آتے ہیں۔

جب جاندار پیدا ہوتا ہے تو پیدا ہونے سے پہلے اس کا کوئی نام ونشان یعنی وجود ہی نہیں ہوتا، ایک عمر کے بعد عقل وہوش حاصل کر کے جوان ہوتا، پھر بوڑھا ہو کر موت کے ذریعہ دنیا سے غائب ہی ہوجاتا ہے، انسان کا بچہ بچپن میں ۱۵ سے ۱۸ر گھنٹے سوتا ہے، انسان چونکہ دنیا میں امتحان کے لئے رکھا گیا ہے، اس لئے اس کو پیدا ہونا ضروری ہے، پھر ایک مختصر ومحدود زندگی گذار کر آخرت میں زندگی کا حساب دینے کے لئے موت سے آخرت میں چلا جاتا ہے۔

سوچئے کہ اگر خدا بھی پیدا ہونے والا ہوتا تو پیدا ہونے سے پہلے اور بچپن میں عقل وہوش آنے تک، پھر جوان ہونے تک کائنات کو کون سنبھالا؟ کس نے دیکھ بھال کی، کیا کسی دوسرے میں اللہ جیسی قدرت تھی اور ہے؟ اس لئے اس کو بچپن، جوانی اور بوڑھاپا نہیں، وہ پیدائش اور موت سے پاک ہے، جس میں تغیرات آتے ہیں وہ خدا نہیں، مخلوق ہوتا ہے، خدا میں کوئی تغیرات نہیں آتیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کو دعوت وتبلیغ میں یہ بات سمجھائی کہ انہوں نے اپنی قوم کو ستاروں، چانداور سورج میں تغیرات آنے پر اس کو نقص وعیب بتلایا، اور توحید سمجھایا کہ جو غروب ہوتا ہے وہ خدا نہیں ہوتا، اللہ کے ساتھ پیدائش، بچپن، جوانی اور بوڑھاپا انسان کے وہم وگمان کی گمراہی ہے، عروج وزوال کی یہ علامتیں ہیں، اگر خدا میں عروج وزوال آئے تو یہ دنیا چل نہیں سکتی تھی، وہ مخلوقات جیسی نقائص اور محدود حیات والا نہیں۔

اللہ تعالیٰ زندہ ہونے کی وجہ سے ہر آن دیکھنے، سننے اور خبر رکھنے والا ہے

دنیا کی تقریباً تمام قومیں اللہ تعالیٰ کو زندہ مانتی ضرور ہیں مگر ان کا یہ ماننا غیر

شعوری ہوتا ہے، پہچان کے ساتھ نہیں ہوتا، اللہ کو دنیا کے بادشاہوں کی طرح حیات والا جان کر واسطے اور وسیلے سے اس کے دیکھنے اور سننے کا تصور رکھتے ہیں، اور مخلوقات کے ذریعہ اللہ سے رجوع ہوتے ہیں، گویا انسانوں کی بہت بڑی تعداد اللہ کو اس طرح حیات والا مان کر شرک میں گرفتار ہے۔

چنانچہ انسانوں کی کثیر تعداد اللہ کی حیات کو ناقص مان کر اللہ کے دیکھنے، سننے اور خبر رکھنے کے عقیدہ سے دور ہے اور ظلم وزیادتی اور گناہِ کبیرہ میں نڈر بنی ہوئی ہے، اللہ کو انسانی بادشاہوں کی طرح حیات والا سمجھ کر اللہ کی بغاوت ونافرمانی میں گرفتار ہے، جس طرح دنیا کا بادشاہ زندہ ہوتے ہوئے اپنے محل کے باہر اور اندھیرے اُجالے اور دیوار کے پیچھے اور دلوں کے حال سے واقف نہیں رہتا، بالکل اسی طرح اللہ کو ناقص حیات والا سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی حیّ وقیوم ہونے کی تعلیم دے کر اپنے سمیع وبصیر اور علیم وخبیر ہونے کی بھی تعلیم دی ہے، یعنی وہ ایسا حیات والا ہے جو اپنی مخلوق کی ہر آن دیکھ بھال کرتا ہے، ہر آن ان کی پکار سنتا ہے، اور ہر آن ان کی مدد کرتا ہے، اس کو نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔

اس کی ایک صفت الشہید ہے، وہ الشہید کے ذریعہ اپنی ہر مخلوق کو دن رات دیکھتا رہتا ہے، ساری مخلوقات اس کے سامنے ہیں، اس کو اپنی مخلوقات کا حال جاننے اور ان کے اعمال اور گفتگو کو دیکھنے اور سننے کے لئے انسانی بادشاہوں کی طرح محتاج نہیں، وہ بغیر کسی واسطے، وسیلے اور اسباب کے سب کچھ دیکھتا اور سنتا ہے، کائنات اس کے عرش اور کرسی کے نیچے چھلّے کی مانند ہے، کرسی سے مراد ہماری طرح کی کرسی نہیں۔

وہ ایسا حیّ ہے اور ایسا سمیع وبصیر ہے کہ اندھیری رات میں سمندر کے گہرے اندھیرے میں رات کے وقت کالے پتھر پر کالی چیونٹی کے چلنے کو بھی دیکھتا ہے اور اس کے رینگنے کی آواز تک سنتا ہے، وہ دنیا کے بادشاہوں کی طرح حیات والا نہیں ہے، فرشتے جو بھی حکم بجالاتے ہیں وہ اس کے سامنے بجالاتے ہیں، وہ دنیا کے بادشاہوں کی طرح غائب نہیں رہتا۔

اس کے حیّ ہونے کا یہ حال ہے کہ وہ مخلوقات کے اندھیرے، اُجالے، دیوار کے پیچھے، دلوں کے اندر، ہر لمحہ پیدا ہونے والے خیالات کو بھی جانتا ہے، اس کے لئے دوری اور نزدیکی کا کوئی سوال ہی نہیں، ماضی، حال اور مستقبل کا سوال ہی نہیں۔

دنیا کی اس زندگی میں غافل انسان اور کمزور عقیدہ ایمان رکھنے والے یا ایمان سے محروم انسان اللہ کو مخلوقات کی طرح حیات والا سمجھ کر ظلم وزیادتی، قتل، زنا، ناانصافی اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں، دھوکہ دیتے ہیں، شرک کرتے ہیں، کفر کرتے ہیں، غرض اس کی عبدیت و بندگی سے دور رہ کر شیطان کی اطاعت کرتے ہیں، اور انسانوں پر اپنی خدائی چلاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہود باوجود تورات کو ماننے کے اللہ کی حیات کو ناقص جان کر بہت سارے اعمال ایسے کرتے تھے جیسا کہ اللہ کو اس کی خبر نہیں ہوتی، سمجھتے ہیں کہ وہ دیکھنے اور سننے سے عاجز ہے، چنانچہ وہ اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچانے اور مسلمانوں کو ناکام کرنے کے منصوبے بناتے تھے، اور دوسرے انسانوں کو حق بات ظاہر نہ کر کے ان سے چھپاتے تھے، انسانوں کو تورات کے احکام کے خلاف برائی اور گناہ سکھاتے تھے، اور آج بھی یہودی اور نصاریٰ کا یہی حال ہے، وہ اللہ کو برائے نام مانتے ہیں اور حق کو سمجھتے ہوئے اپنے ضمیر کی آواز کے خلاف حق کو مٹانے کی محنت کر رہے ہیں۔

منافقین اللہ کو برائے نام دکھاوے اور ریاء کاری کے لئے مانتے تھے اور حیّ نہ سمجھنے کی وجہ سے اللہ کے دیکھنے اور سننے کا تصور نہیں رکھتے تھے، ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف، ان کے غیاب میں یہود سے مل کر نقصان پہنچانا چاہتے تھے، رسول اللہ ﷺ سے اپنی جھوٹی وفاداری کا اظہار کرتے بظاہر جھوٹ بول کر، جھوٹی قسمیں کھاتے تھے، اکثر رسول اللہ ﷺ کے سامنے جھوٹ بولتے اور دکھاوے کے لئے نماز پڑھتے، روزہ رکھتے، اللہ کے راستے میں مال دیتے، پیچھے اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے۔

اس لئے جب انسان تعالیٰ کو حی مان لیتا ہے تو اس کی زندگی عام انسانوں سے الگ

ہوجاتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کو مخلوقات کی طرح حی نہیں مانتا اور زندگی کے تمام شعبوں میں یہاں تک کہ اندھیرے، اُجالے میں اللہ کے سامنے ہونے، اس کے دیکھنے اور سننے کا احساس رکھتا ہے، غفلت و نادانی اور کم علمی سے گناہ ہوجائے تو اللہ تعالیٰ کو زندہ مالک تصور کرکے فوراً اللہ سے رجوع ہوتا ہے اور توبہ کرلیتا ہے، عبادت اور تمام اعمال میں اس کے سامنے ہونے اور اس کے دیکھنے کا تصور رکھتا ہے۔

انسان کی فطرت بھی یہی ہے کہ وہ مدد اسی سے طلب کرتا ہے جو زندہ ہو اور ہر وقت موجود ہو، جو نگرانی کررہا ہو، جسے اونگھ اور نیند نہ آتی ہو، جس پر موت آجائے، جو سویا ہوا ہو اُسے نہیں پکارتا، اللہ تعالیٰ ان دونوں صفات کے ذریعہ اپنی طرف متوجہ رہنے کی تعلیم دی ہے، تاکہ اس کے بندے کسی مخلوق کی طرف متوجہ نہ ہوں، شرک نہ کریں۔

الحیّ و القیوم، دونوں صفات انسان پر کیسے اثر کرتی ہیں؟

انسان کو ایمان لانے کے بعد ان دونوں صفات کا کامل یقین پیدا ہوجاتا ہے اور ان صفات سے جب اللہ کی پہچان ہوجاتی ہے تو وہ پورے یقین کے ساتھ آدھی رات کے اندھیرے میں، سمندر کی گہرائی میں (جس طرح حضرت یونسؑ نے اللہ کو پکارا) فضاؤں کے درمیان (جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے اللہ پر اعتماد کیا) دن کے اجالے میں (جس طرح رسول اللہ ﷺ نے غارِ ثور میں حضرت ابوبکرؓ کو اعتماد دلایا)، انسان بیماری اور موت کے قریب بھی حالات سے متاثر نہ ہوکر اور نیند سے بیدار ہوتے ہی اللہ ہی کو حی وقیوم جان کر پکارے گا، زلزلے، آندھی، طوفان، طغیانی اور فسادات میں گھر جانے کے باوجود اللہ کے سوا کسی دوسری طرف متوجہ نہیں ہوگا، اور اللہ کے مقابلہ ساری مخلوقات کو مردہ اور بے جان سمجھے گا۔

جیسے چھوٹا بچہ نیند سے اندھیرے میں بیدار ہوتے ہی ماں کے نہ دیکھنے پر ماں ہی کے لئے بے چین ہوکر روتا اور پکارتا ہے اور ماں ہی کو اپنا سب سے بڑا سہارا سمجھتا ہے، اس لئے ان دونوں صفات پر ایمان والوں کو کامل یقین ہونا چاہئے کہ اس کا حقیقی مددگار،

کفیل، دیکھ بھال کرنے والا اور حفاظت کرنے والا اللہ ہے، وہ سویا نہیں، کہیں غائب نہیں ہے، جاگ رہا ہے، اسے دیکھ اور سن رہا ہے، اس لئے نمک کی ڈلی کی حاجت ہو اور جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اسی سے مانگتا ہے۔

اللہ کو چھوڑ کر مخلوقات سے رجوع ہونا گویا اللہ کو حیّ نہ ماننا ہے

جو لوگ ان صفات کا حقیقی شعور نہیں رکھتے اور زبان سے کسی حد تک اللہ کو الحی و القیوم مانتے ہیں، وہ مصائب و پریشانیوں، حاجات وضروریات کے وقت اللہ کو چھوڑ کر اللہ سے رجوع نہ ہو کر مخلوقات سے رجوع ہوتے ہیں، مخلوقات سے دعاء مانگتے، مخلوقات کے موجود نہ ہونے کے باوجود مخلوقات کو پکارتے ہیں، ان سے اولاد، تندرستی، منتیں، مرادیں، دعائیں مانگ کر اپنے عمل سے یہ اظہار کرتے ہیں کہ خدا زندہ نہیں ہے، یا سویا ہوا ہے، غافل ہے یا مسائل کو حل نہیں کرتا، وہ زندہ ہوتے ہوئے اپنے اختیارات اپنی مختلف مخلوقات کو دے دیا ہے، وہ ایمان کا دعویٰ کرنے کے باوجود اللہ کی پہچان ہی نہیں رکھتے، ان کا یہ عمل اللہ کے ساتھ گذرے ہوئے انسانوں کو بھی زندہ ماننا ہے، اور شرک کہلائے گا، اس لئے وہ اللہ کو چھوڑ کر جگہ جگہ سر جھکاتے ہیں، ہاتھ پھیلاتے پھرتے ہیں۔

دونوں صفات پر ایمان سے تمام صفات پر کامل یقین پیدا ہوتا ہے

اللہ نے ان دونوں صفات کی تعلیم دے کر انسانوں کو دنیا کی زندگی میں ہر عمل پر چوکنا اور ہوشیار رہنے اور اللہ کے سامنے ہونے کی تعلیم دی ہے، اور انسان کو اپنی عبدیت و بندگی میں غفلت برتنے سے بچایا ہے، ظلم وزیادتی کی روش سے دور رہنے کی گویا تعلیم دی ہے اور مصیبت و پریشانیوں میں ناامید نہ ہونے اور صبر اختیار کرنے کا احساس دلا رہا ہے، ان ہی دونوں صفات کی پہچان سے انسان اللہ کو ہر صفت کے ساتھ زندہ رہنے والا تصور کر سکتا ہے، اور یہ تصور رکھ سکتا ہے کہ اس کا مالک الحی والقیوم ہے، وہ میری ہر ضرورت کا نگہبان ہے۔

دنیا میں کوئی حاکم کے پاس ایسی آنکھیں نہیں جو پوری رعایا پر نظر رکھ سکے، ایسے

کان نہیں جو ہر مخلوق کی پکار سن سکے، ایسی حیات نہیں جو ۲۴ گھنٹے ہمیشہ ہمیشہ جاگتے ہوئے زندہ رہ سکے اور اُسے اونگھ اور نیند تک نہ آئے، جو اپنی سلطنت میں ہر ذرہ ذرہ کی خبر رکھ سکے، اور ان کو باقی اور قائم رکھ سکے، وہ اکیلا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، اس جیسا الحی والقیوم کوئی دوسرا نہیں۔

سوچئے کہ کسی میں ایسی قدرت ہے جو ساری کائنات کی مخلوقات کو سہارا دے سکے، سنبھال سکے، دنیا کے بادشاہ اپنی حکومت کی مختصر مدت میں چند چیزوں ہی کی حفاظت کر سکتے ہیں، پھر وہ خود مجبور رہتے ہیں، وہ زلزلہ آئے تو حکومت پر قائم رہ کر بھی زمین کو سنبھال نہیں سکتے، ہوائیں' طوفانی بن جائیں تو وہ ہوا کو سنبھال نہیں سکتے، قحط پڑ جائے تو غذاء نہیں لا سکتے، سورج کی روشنی تیز ہو جائے تو گرمی سے بچا نہیں سکتے، موت آ جائے تو کسی کو موت سے بچا نہیں سکتے، اولاد نہ ہو تو کسی کو اولاد نہیں دے سکتے، یہاں تک کہ اس پر نیند آ جائے تو نیند کو نہیں روک سکتے۔

☆☆☆☆☆

اَلْوَارِث

انسان کو زمین کی خلافت ملنا گویا اللہ کی امانت ہے

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُوماً جَهُولاً ٥ لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُوراً رَّحِيماً ٥ (الاحزاب: ۷۲،۷۳)

ترجمہ: ہم نے اس امانت کو آسمان و زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا، تو وہ اسے اٹھانے کے لئے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے، مگر انسان نے اسے اٹھالیا، بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے، اس بار امانت کے اٹھانے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ منافق مردوں اور عورتوں اور مشرک مردوں اور عورتوں کو سزا دے اور مومن مردوں اور عورتوں کی توبہ قبول کرے اور اللہ در گذر فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

جب کوئی اپنی ملکیت کو کسی کے حوالے مختصر مدت کے لئے کرتا ہے تو وہ چیز اس کے پاس امانت کہلاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات میں سے صرف زمین کے سیارے کو مختصر مدت تک کے لئے انسان کو خلیفہ بنا کر امتحان و آزمائش کے لئے حوالے کیا ہے اور خلیفہ بنائے جانے پر اختیارات و آزادی دی اور زمین کی بہت ساری مخلوقات کو اپنی مرضی سے استعمال کرنے کا اختیار دیا، اور یہ بھی آزادی دی کہ وہ اس امتحان میں چاہے تو اللہ کی اطاعت کرے یا اللہ کی نافرمانی دونوں کا اختیار رکھتا ہے، اور پھر خلافت کی ذمہ داریوں کو صحیح ادا کرنے پیغمبر اور کتاب کا انتظام کیا۔

تفسیر ابن کثیر، معارف القرآن، تدبر قرآن، تفہیم القرآن میں ہے کہ ان آیات

میں انسان کو اس کائنات میں اس کے مقام ومرتبہ سمجھانے کے لئے اور اس امانت کی اہمیت بتلانے کے لئے زمین وآسمان اور پہاڑوں جیسی مخلوقات کے تذکرے سے یاددہانی کرائی گئی کہ وہ اللہ کے سامنے اطاعت وبندگی کا وعدہ کر کے آیا ہے، اور زمین کی خلافت کو قبول کیا ہے، اس لئے اپنی زندگی کو غفلت، بے علمی، کھیل کود میں نہ گذارے اور عقائد و اعمال میں اللہ کا باغی ونافرمان بن کر اپنی آخرت خراب نہ کرلے۔

امانت سے مراد صحابہ کرامؓ وتابعینؒ اور جمہور مفسرین نے پورے دین کو اس میں داخل کیا ہے، اور امام قرطبیؒ نے احکامِ شرعیہ، عقائد اعمال بتلایا ہے، جن پر پورا اترنے سے جنت کی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی، اور نافرمانی وبغاوت پر جہنم کا عذاب بتلایا ہے، یہاں خلافت کو امانت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

☆ اسی حقیقت کو سمجھانے کے لئے فرمایا گیا کہ ہم نے اس امانت کو آسمان، زمین کی تمام مخلوقات کے سامنے پیش کیا، تو وہ اس عظیم ذمہ داری کو اٹھانے سے ڈر گئے اور معذرت پیش کردی، کہا کہ ہم اس کا حق ادا نہ کرسکیں گے، مگر انسان نے یہ امانت اٹھالی۔

اللہ نے تمام مخلوقات کے سامنے یہ بات پیش کی کہ وہ اپنی مخلوقات میں سے کسی مخلوق کو امتحان کی خاطر، مختصر مدت کے لئے نافرمانی کی طاقت دیتے ہوئے، اختیار و آزادی سے اپنے احکام پر چلنے اور اپنی پسند سے میری عبدیت و بندگی کرنے، یا پھر نافرمانی کرنے کی آزادی دے کر امتحان لینا چاہتا ہوں، میں غیب میں رہ کر نظر نہیں آؤں گا، اور اس کو ایک خاص وقت تک مہلت زندگی کی عطا کروں گا، اور زمین کی مختلف مخلوقات کو اپنی مرضی سے استعمال کرنے کی اجازت دوں گا، اگر وہ زمین پر رہ کر، مجھے دیکھے بغیر پہچان کر، نافرمانی کی طاقت رکھتے ہوئے، اپنے عقائد درست کر کے مجھ پر ایمان لائے اور اپنی مرضی اور پسند سے میری عبدیت و بندگی کرے، تو پھر ایک خاص دن مقرر کر کے ان کی زندگی کے تمام کاموں کا حساب لوں گا، اگر وہ میری اطاعت و فرمانبرداری کریں گے تو اس کو وہ مقام ومرتبہ عطا کروں گا جو کسی مخلوقات کو نہیں ملا ہے اور اگر وہ میری بخشی

ہوئی آزادی کا غلط استعمال کریں گے اور میری بغاوت میں زندگی گذاریں گے، تو اس کو وہ سزا دوں گا جو میں نے اپنی کسی بھی مخلوق کو نہیں دی ہے۔ اب بتاؤ کون تم میں سے اس امتحان میں اترنے اور ترقی کرنے کو تیار ہے۔

یہ بات سن کر زمین باوجود اپنی وسعت کے اور آسمان باوجود اپنی بلندی اور پھیلاؤ کے، اور پہاڑ اپنی مضبوط سربلندی کے اور دوسری تمام مخلوقات کانپ گئیں، ڈر گئیں اور سناٹا چھا گیا ہوگا، اور پھر بڑی سے بڑی مخلوق فرشتے بھی گھٹنے ٹیک کر ادباً یہ التجا کئے ہوں گے اے ہمارے رب! ہم اب بھی آپ کے تابع وفرمان پر چل رہے ہیں، ہمیں اختیار دیا گیا تو ہم اس امانت کو اٹھانے سے عاجز ہیں، ہم نہ تو ثواب چاہتے ہیں اور نہ عذاب کو برداشت کرسکیں گے، ہمیں اس کڑے اور سخت امتحان سے معاف فرمادیجئے۔

اے اللہ! ہم آپ کی اختیاری وآزادی کے ساتھ اطاعت نہیں چاہتے، ہمیں آپ کی جبری اور بے اختیاری غلامی ہی چاہیئے، ہمیں آپ کی اسی طرح کی عبدیت و بندگی میں رکھیئے، ہم حضور کی سزاؤں کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، ہمیں بے اختیار خادم ہی بنا کر رکھیئے، ہم میں یہ طاقت نہیں کہ ہم نافرمانی کا اختیار و آزادی رکھ کر آپ کی اطاعت کرسکیں۔

انسان تمام مخلوقات کو بے شعور و بے زبان سمجھتا ہے، یہ بے شعور نہیں ہیں قرآن کہتا ہے کہ وَ اِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ یعنی کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی تسبیح نہ بیان کرتی ہو۔ ظاہر بات ہے کہ وہ اللہ کی حمد وثناء اسی وقت بیان کرسکتی ہیں جب اپنے مالک و پروردگار کی پہچان اور معرفت رکھتی ہو، اسی لئے اللہ نے ان کو مخاطب کیا وہ اللہ سے بات کرسکتے ہیں، مگر انسان ان کی بات کو سمجھ نہیں سکتا، اللہ نے خود حضرت سلیمان علیہ السلام اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو جانوروں کی بولی سمجھنے کی صلاحیت عطا فرمائی تھی۔ (معارف القرآن)

امانت کو قبول کرنے کا یہ کوئی جبری حکم نہیں تھا، محض اللہ نے خود مخلوقات کی ترقی اور

فائدہ کے لئے پیش کیا تھا، یہ بات جبری نہیں، اختیاری تھی، اس میں حکمِ الٰہی سے روگردانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ساری کی ساری مخلوقات تو اللہ کی مطیع وفرمانبردار اور تابع ہیں، اللہ نے ان کو قبول کرنے اور نہ کرنے کی آزادی دی تھی، مجبور نہیں کیا تھا۔

☆ تفسیر قرطبی میں ترمذی کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ بیان کئے ہیں کہ سب کو پیش کرنے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی ذریت کے لئے خطاب فرمایا، آدمؑ نے اللہ کے قرب و رضاء میں ترقی ہونے کے شوق میں وعدہ کے ساتھ اٹھالیا، یہ چھ فٹ کا ضعیف مادّی انسان جو معنوی اعتبار سے ضعیف ہے، خلافت اور ترقی، مقام ومرتبہ اور اونچا درجہ ملنے کے احساس اور شوق میں یہ امانت اٹھالیا اور امتحان دینے کے لئے تیار ہوگیا، اور ان سزاؤں کو جو اس آزادی میں پوشیدہ ہیں اس سے بے خبر ہوگیا۔

☆ انسان کو خلیفہ زمین بنائے جانے کے بعد اللہ نے اُسے خلافت کی ذمہ داریاں ادا کرنے سب سے اعلیٰ عقل وفہم عطا کیا ضمیر عطا کیا، پیغمبر کا انتظام کر کے زندگی گذارنے کا ضابطہ وقانون عطا کیا، شر اور خیر کی طاقت عطا کی، تا کہ وہ زمین پر اپنی پسند اور چاہت سے اللہ کی عبدیت وبندگی کرے اور خلیفۂ زمین ہوکر اللہ کے احکام کو زمین پر نافذ کرے، جس طرح پوری کائنات میں اللہ کا تکوینی نظام نافذ ہے، اسی طرح انسان تشریعی نظام (شریعت کا نظام) کو خلیفہ کی حیثیت سے نافذ کرے، اور خود بھی اور دوسرے انسان کو بھی اللہ کی عبدیت و بندگی میں زندگی گذارنے کی محنت کرے، یہاں انسان سے مراد پوری نوعِ انسانی ہے، اس وعدہ کے مطابق سارے پیغمبروں نے اس امانت کی حفاظت کی اور اس کا حق ادا کیا، مگر ان کی امتوں میں بہت سارے لوگوں نے اس امانت کو ضائع کیا۔

☆ ان آیات میں انسان کو زمین، آسمان اور پہاڑوں کا تذکرہ کر کے اس کا مقام و مرتبہ یاد دلایا گیا کہ وہ اللہ سے خلافت کا عہدہ قبول کر کے اطاعت وبندگی کا وعدہ کر کے آیا ہے، یہ وعدہ اختیار اور ارادہ کی آزادی سے کیا ہے، اللہ نے جبر نہیں کیا تھا، اس لئے نافرمانی اور بغاوت پر سزا کا مستحق وہی ہوگا جو ذمہ داری قبول کرنے اور وعدہ وعہد کرنے کے بعد

نافرمانی اور بغاوت کرے، جس نے اختیار و آزادی کے ساتھ عہد کیا ہے اور ذمہ داری قبول کی ہے، اگر زمین کے انتظامات اور نظام میں فساد کرے گا تو سزا کا مستحق ہوگا، جو مجبور اور بے اختیار ہوں ان سے وعدہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

☆ ان آیات میں اللہ نے ہر اس انسان کو جاہل کہا ہے جو وحی الٰہی کا علم حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور وحی کے احکام ہی سے واقف نہ رہے اور اپنے نفس اور شیطان کے بہکاوے میں زندگی گذارے، اور ہر وہ انسان ظالم ہے جو عدل کو سمجھتا اور عدل و انصاف کرسکتا ہے، صحیح غلط، شر و خیر کی تمیز رکھتا ہو پھر بھی عدل کو چھوڑ کر ظلم اور شر کی زندگی اختیار کرے، عدل کی ضد ظلم ہے اور علم کی ضد جہل ہے۔

☆ چنانچہ ہر زمانے میں انسانوں کی بہت بڑی تعداد پیغمبروں کی دعوت اور وحی کا علم ملنے کے باوجود جان بوجھ کر نفسانی خواہشات اور شیطان کی ترغیبات پر اپنے انجام سے بے خبر ہو کر وہ دنیا کی وقتی و عارضی لذتوں اور گناہوں میں مزے ہونے پر وہ نہیں جان رہا ہے کہ وہ کس نازک اور خطرناک امتحان میں کھڑا ہے، اس امانت کی قدر نہ جان کر جاہل و ظالم بن کر اپنے مقام و مرتبہ کو ذلت میں تبدیل کر رہا ہے، سب سے بڑی ملنے والی عزت یعنی فرشتوں سے بھی اونچا مقام پانے کو نظر انداز کر کے سب سے بڑی ذلت و پستی اور تحت الثریٰ (سب سے نیچے) میں جانے کی محنت کر رہا ہے، اور آخرت میں حساب دینے اور وہاں کی سزاؤں سے بے فکر اور نڈر بن رہا ہے، اور جسارت کے ساتھ امانت یعنی خلافت کا غلط استعمال کر رہا ہے، اور زمین میں فساد برپا کرنے کے اعمال اختیار کیا ہوا ہے، اور اپنے آپ کو غیر ذمہ دار بنا کر رکھا ہے، گویا وہ اپنے کردار سے خود اپنی مرضی اور پسند سے اپنے آپ کی تباہی کا سامان تیار کر رہا ہے۔

☆ اگر یہ امانت کوئی پہاڑ اٹھاتا اور اُسے قرآن مجید عطا کی جاتی تو پہاڑ جیسی سخت مخلوق، رب قدیر کے سامنے اس امانت کی جواب دہی سے خوف کھا کر کانپتے ہوئے ریزہ ریزہ ہوجاتی، لیکن حیرت ہے ان نافرمان انسانوں کی بے حسی اور بے فکری پر جو اس

ہدایت کو اپنی فطرت کے مطابق سچا جاننے اور اس کی سچائی کے اثرات اپنے اطراف محسوس کرتے ہیں، پھر بھی خلیفہ کی ذمہ داریاں ادا نہیں کر رہے ہیں، خود بھی اور دنیا کے دوسرے تمام انسانوں کو گمراہی میں مبتلا کرنے کی تعلیم دے رہے ہیں، حالانکہ اس ہدایت کو وہ آسانی سے اندھیرے اور اُجالے کے فرق کی طرح سمجھ رہے ہیں جو ان کی فطرت کے عین مطابق بھی ہے۔

☆ بنی اسرائیل کو یہ امانت دی گئی تھی تو انھوں نے ساری دنیا کے دوسرے انسانوں کو اندھیروں میں بھٹکنے کے باطل راستے سکھائے، اور حق کو چھپا کر اس امانت میں خیانت کی، نہ خود عمل کیا اور نہ دوسروں کو برائی سے روکا، الٹا احکام کو تبدیل کر کے توحید کو شرک کے ساتھ خلط ملط کر دیا، عقائد و اعمال میں وحی الٰہی کے خلاف چلنے لگے اور گمراہ ہو گئے، اور کتابِ الٰہی سے ہدایت حاصل کرنے کے بجائے برائے نام مانا اور اس کو جادو ٹونا، برکت اور رسم ادا کرنے کی حد تک ہی رکھا، بزرگوں کی اولاد سمجھ کر آخرت سے بالکل غافل ہو گئے، اور انسانوں پر خدا بن بیٹھے، اس میں گویا بنی اسرائیل کو احساس دلا کر امت محمدیہ کو بھی تاکید کی جارہی ہے کہ وہ بنی اسرائیل کی طرح اپنے دئیے ہوئے مقامِ خلافت کو ضائع و برباد نہ کرلیں؛ ورنہ وہ بھی دنیا اور آخرت میں ذلت میں مبتلا رہیں گے، خود اندھے بن کر اندھوں کے راستوں پر نہ چلیں۔

اَلْوَارِث

☆ **وَلِلّٰهِ مُلْکُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا.** (المائدہ:۱۷ و ۱۸)

زمین اور آسمانوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا مالک اللہ ہی ہے۔

☆ **لَهٗ مُلْکُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ .** (الحدید:۳)

زمین و آسمانوں کی سلطنت کا مالک اللہ ہی ہے۔

☆ **إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَیْهَا وَإِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ ٥** (مریم:۴۰)

ہم ہی زمین کے اور اس پر رہنے والوں کے وارث رہ جائیں گے، اور ہماری ہی

طرف پلٹائے جائیں گے۔

☆ ساری کائنات کا اکیلا اللہ تعالیٰ ہی حقیقی مالک ہے، وہی ذرہ ذرہ کا اکیلا وارث ہے، جب مخلوقات نہیں تھیں، وہی وارث تھا، اور جب سب کچھ ختم ہو جائے گا تو وہی وارث رہے گا، اس کے علاوہ کوئی دوسرا وارث نہیں، نہ اس کی ملکیت میں کوئی شریک ہے، وارث سے مراد وہ سب کا اکیلا حاکم، مختارِ کل اور مالکِ حقیقی ہے۔

حدیث پاک میں ہے کہ ساری مخلوقات اللہ کا کنبہ ہے، کنبہ سے مراد بیٹا، بیٹی یا کوئی رشتہ داری نہیں؛ بلکہ مخلوقات اس کی غلام، خادم اور نوکر ہیں، اور وہ ہی سب کا اکیلا آقا ہے۔

☆ اس کی مخلوقات میں کوئی بھی مخلوق کسی بھی مخلوق کی حقیقی مالک نہیں ہے، نہ وہ کسی چیز کے خالق ہیں، نہ رب ہیں اور نہ حاکم، اللہ ہی کی تخلیق سے ہر چیز وجود میں آئی، وہی اکیلا ہر چیز کی نگہداشت اور پرورش کر رہا ہے اور وہی ہر چیز پر حکومت رکھتا ہے، اس لئے وہی اکیلا مالکِ حقیقی اور وارث ہے۔

وہ بیٹا بیٹی اور اہل وعیال جیسے رشتے ناتوں سے پاک ہے

عام طور پر دنیا کی زندگی میں انسان مختصر اور عارضی طور پر امتحان کی خاطر اللہ کی طرف سے کچھ چیزوں کا مالک بنتا ہے، اس کے مرنے کے بعد اس کی دولت، جائیداد، عہدہ وکرسی اس کے حقداروں میں وراثت کے طور پر تقسیم کردی جاتی ہے، مرنے والے کے چھوڑے ہوئے مال وجائیداد کو میراث کہتے ہیں، اسی لئے انسان میں میراث کے حقدار کے لئے بھی لفظ وارث کا استعمال ہوتا ہے، اسی لفظ سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ حقیقی میراث کیا ہے۔

☆ مگر اللہ تعالیٰ پیدائش اور موت سے پاک ہے، وہ تو ہمیشہ سے اکیلا ہے اور ہمیشہ اکیلا ہی رہے گا، اس کو یہ کائنات کسی نے وراثت میں عطا نہیں کی، اس نے خود ہی سے اکیلے اس کائنات کے ذرّہ ذرّہ کو پیدا کیا اور ان کا مالک اور وارث صرف وہی ہے، حاکم وکارساز وہی ہے، جب اس پر موت نہیں آتی ہے تو اس کے لئے وارث کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

☆ دنیا میں ایک انسانی بادشاہ یا صدر جب اپنے مقام کو چھوڑ کر سفر پر جاتا ہے، یا مر جاتا

ہے تو حکومت کی دیکھ بھال کے لئے اس کا وارث، اقتدار سنبھالتا ہے، یا اس کو اپنی غیر حاضری میں اپنا وارث مقرر کرنا پڑتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کے غیر حاضر ہونے یا کہیں جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

وہ الشہید ہے، ساری کائنات کی مخلوقات اس کے سامنے ہیں، اس کو نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند آتی ہے، پھر اس کی ملکیت کے لئے کوئی وارث ہی کی ضرورت نہیں۔

☆ پوری کائنات میں سے صرف زمین پر اللہ تعالیٰ امتحان کی خاطر انسان کو خلافت عطا کی ہے، چونکہ انسان خود ترقی پانے کے لئے خلیفۂ زمین بننے کو قبول کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اُسے خلیفۂ زمین بنا کر زمین پر اور زمین کی کچھ مخلوقات پر اللہ کے قانون کو نافذ کرنے کا اختیار و آزادی دی، تاکہ مختصر اور عارضی طور پر مالک بن کر اللہ کی مرضیات پر اپنی پسند سے چلے اور کائنات کی تمام مخلوقات میں جس طرح اللہ کا قانون نافذ ہے اسی طرح انسان خلیفۂ زمین بن کر اللہ کے قانون کو اللہ کی زمین پر نافذ کرے، پھر اللہ نے خلافت کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لئے اُسے بہت سی نعمتوں کو امتحان کے لئے عطا کیا اور آزادی دی کہ وہ اپنی مرضی سے اطاعت میں استعمال کرے یا نافرمانی میں، اس کی صحیح رہنمائی و ہدایت کے لئے پیغمبر اور وحی الٰہی کا انتظام کیا، گویا خلیفۂ زمین بنا کر اللہ نے انسان کو اپنی زمین کی ملکیت کو عارضی اور مختصر مدت کے لئے امانت کے طور پر دی ہے، انسان بس ایک مختصر سے وقت تک زمین کی چیزوں کا مالک بنتا ہے، پھر چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔

☆ انسان کو آزادی و اختیار ملنے کی وجہ سے وہ پیغمبر اور وحی الٰہی کی ہدایات و رہنمائی سے انکار کرکے یا بے شعوری والا ایمان رکھ کر اللہ کو کائنات کا برائے نام بڑا خدا مانتا ہے، مگر اصل وارث نہیں سمجھتا، اور گمراہ پیشواؤں اور شیطان کے بہکاوے میں عقل وفہم کو گمراہی میں مبتلا کرکے غلط عقیدوں پر زندگی گذارتا ہے، اور یہ تصورات رکھتا ہے کہ اس کائنات کو چلانے کے لئے اللہ نے کئی ہستیوں کو مختلف اختیارات دئے ہیں، چنانچہ کسی نے دیوی دیوتاؤں کا تصور قائم کرکے خدا کا حسب نسب بنا دیا اور اس کے اولاد اور خاندان

کا تصور قائم کرلیا، اور کائنات کے مختلف کاموں کو ان میں تقسیم کر دیا، کسی نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بناڈالا اور ان سے سفارش کا عقیدہ قائم کرلیا، کسی نے پیغمبروں کو خدا کی اولاد بنادیا اور خدا کا وارث قرار دیا، کسی نے ولیوں اور بزرگوں کو خدا کے مقرب بنا کر کائنات کے انتظامات سنبھالنے والے تصور کیا، مشرکین، جنات کو بعض علاقوں کا اقتدار رکھنے والا سمجھتے ہیں، کسی نے زمین، چاند، سورج، ہوا، پانی، جانور، نباتات، جمادات، انسان، جنات، موت اور حیات کے الگ الگ وارث اور ذمہ دار بنا کر عقیدے قائم کر لئے اور خدا کو صرف برائے نام بڑا خدا مانتے ہیں، اور رسمی انداز پر مالک مانتے ہیں، اور پھر مختلف مخلوقات کو اس کا شریک ٹھہرا کر وارث بناتے ہیں اور اپنی زندگی کی مختلف ضروریات میں اللہ سے رجوع نہیں ہوتے بلکہ مخلوقات سے رجوع ہو کر مدد طلب کرتے ہیں۔

جس طرح کسی عمارت اور جائیداد کے کئی جھوٹے دعوے دار کھڑے ہو جائیں تو دیکھنے والے پوچھیں گے کہ حقیقی دعویدار، مالک اور اصلی وارث کون ہے؟ تو جو حقیقی مالک اور وارث ہو گا وہ کہے گا کہ میں ہی حقیقی مالک اور وارث ہوں۔

انسانوں کو گمراہی اور غلط عقیدہ سے بچائیں

اسی چیز کی تعلیم قرآن میں دی گئی کہ اللہ ہی ساری کائنات کے ذرہ ذرہ کا حاکم، خالق، کارساز اور مالک ہے، اس کے علاوہ اس کائنات میں اس کی ملکیت کا کوئی وارث اور بادشاہ نہیں، نہ کوئی وارث بن سکتا ہے، جب مشرکین مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کون ہے؟ کیسا ہے؟ اس کا حسب نسب اور خاندان کیا ہے؟ پوچھا تو اللہ نے سورۂ اخلاص میں صاف فرمادیا کہ وہ احد اور واحد ہے، اس کا نہ کوئی باپ ہے اور نہ وہ کسی کا باپ ہے، اس کو نہ کسی نے جنا ہے اور نہ کوئی اس سے جنا گیا، نہ وہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ کوئی اس کا بیٹا، بیٹی ہے، اس نے دنیا کی زندگی میں جو چیزیں اور جو نعمتیں انسان اور جنات کو دی ہیں ان کا اصل مالک و وارث اللہ ہی ہے، وہ چیزیں ان کو امتحان کی خاطر دی گئی ہیں۔

انسان کو خلیفۂ زمین بنا کر گویا زمین کی نعمتوں اور خزانوں کو مختصر مدت کے لئے

اس کے حوالے کیا ہے، انسان ان چیزوں کا حقیقی مالک نہیں ؛ بلکہ اللہ کا غلام اور نوکر ہے، جب قیامت قائم ہو جائے گی تو اللہ تمام مخلوقات کو فناء کر دے گا، اس وقت سوائے اللہ کے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا، اس وقت اللہ خود پوچھے گا لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْم؟ آج کس کی بادشاہت ہے؟ پھر خود ہی جواب دے گا لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ. اللہ واحد وقہار ہی کی بادشاہت ہے۔

انسان کی حیثیت خزانے کے اس خزانچی اور منیجر کی ہے جو خزانے کے مال کو اپنا نہیں ؛ بلکہ صرف مالک کا تصور کرتا ہے، اور مالک کی مرضی اور حکم کے مطابق ہی استعمال کرتا اور تقسیم کرتا ہے، اگر وہ خزانے پر خزانچی بن کر مال کو اپنی ملکیت سمجھے اور اپنی مرضی پر جیسا چاہے، استعمال کرے یا کسی دوسرے کو مالک سمجھے تو یہ بے ایمانی اور بغاوت و نافرمانی ہوگی، یہ امانت میں خیانت کرنے والا شمار کیا جائے گا، کسی چیز کی ذمہ داری قبول کرنے اور وعدہ کرنے کے بعد حق ادا نہ کرنا خیانت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جب زمین پر خلیفہ کا مقام دیا ہے تو اس کو خلافت کی ذمہ داری صحیح ادا کرنے اور اس کی نعمتیں اللہ کے قانون و احکام کے تحت استعمال کرنے کے لئے زمین پر زندگی گذارنے کا ضابطہ و قانون بھی عطا کیا، انسان کے دنیا میں آنے کے بعد حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک برابر پیغمبروں کو بھیجتا رہا اور وحی الٰہی نازل کر کے اُسے اپنے خلیفہ بننے کی امانت کی حفاظت کرنے کی تعلیم دیتا رہا۔

چنانچہ تمام آسمانی کتابوں کا نچوڑ اور عطر آخری وحی کی شکل میں قرآن مجید کو امانت کے طور پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا، حضرت محمد ﷺ جب تک دنیا میں رہے وہ اس امانت اور خلافت کی حفاظت کیے اور حجۃ الوداع میں اس امانت اور خلافت کو دوسرے تمام انسانوں تک پہنچانے کی ہدایت دی، گویا رسول اللہ ﷺ کے بعد پیغمبروں کا سلسلہ بند کر کے امت مسلمہ کو اس امانت کا ذمہ دار بنا دیا گیا، اور یہ سمجھایا گیا کہ وہ اس امانت کو ضائع نہ کریں، دنیا کے دوسرے انسانوں کو اس امانت کا وارث بنائیں، پیغمبر کے

بعد رسالت کے کام کو دنیا کے دوسرے انسانوں تک پہنچا کر امانت کا حق ادا کریں۔

سورہ فاطر: ۳۲ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''پھر ہم نے اس کتاب کا ان لوگوں کو وارث بنا دیا، جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا، اب کوئی تو ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے، کوئی بیچ کی راہ پر ہے، کوئی نیکیوں میں آگے ہے۔

یہ امانت حضرت آدم علیہ السلام سے ہر پیغمبر کے پاس منتقل ہوتے ہوئے آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری وحی قرآن مجید کی صورت میں نازل ہوئی اور آپ کے بعد اللہ نے رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ فرمایا کہ انبیاء کے وارث علماء ہوتے ہیں، رسول اپنی امت کے لئے دولت و درہم و دینار نہیں چھوڑ جاتا، زمین اور جائیداد حکومت و اقتدار نہیں چھوڑتا؛ بلکہ اللہ کی کتاب بطور وارث چھوڑ جاتا ہے، حدیث میں فرمایا گیا کہ انبیاء درہم و دینار کی وراثت نہیں چھوڑتے، وہ وراثت میں علم چھوڑتے ہیں۔ (ترمذی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء کے وارث علماء ہوتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ لوگوں کو بازار میں دنیا میں مصروف دیکھ کر فرمایا تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو؟ وہاں مسجد میں انبیاء کی میراث تقسیم ہو رہی ہے، لوگ دوڑے دوڑے گئے، دیکھا کہ قرآن وحدیث کی تعلیم دی جا رہی ہے، فرمایا: یہی انبیاء کی میراث ہے۔

قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''ہوا یہ کہ ہم نے اسے اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے بچا لیا اور انہی کو زمین میں جانشین بنایا۔'' (یونس: ۷۳)

قرآن مجید خاص طور پر امت مسلمہ کو بھی بنی اسرائیل کے تذکرے بیان کر کے سمجھایا کہ ان کی اکثریت نے اپنے مقام و مرتبہ کو بھلا دیا اور خلیفہ ہونے کی امانت کے خلاف اللہ کی بغاوت و نافرمانی کر کے امانت کو ضائع کیا اور کتاب الٰہی جو اس وقت ان کو اللہ کی امانت کے طور پر دی گئی تھی، اس کے ایک ایک حکم میں خلیفہ ہونے کے باوجود

اطاعت و بندگی کا وعدہ کرنے اور تمام دنیا پر فضیلت ملنے کے باوجود دوسروں کو امانت کا وارث بنانے کی ذمہ داری رکھتے ہوئے اللہ کے ایک ایک حکم میں اطاعت کرنے کے بجائے خیانت کئے اور اس کو ضائع کیا اور دوسری قوموں کے سامنے حق کی تائید کرنے کے بجائے حق کو چھپایا، باطل کا ساتھ دیا، پیغمبروں کی مخالفت کئے، بہت سے احکام میں اللہ کے منع کرنے اور حرام کرنے کے باوجود حلال کرلیا، مثلاً سود کو حلال کرلیا، مرد مرد کے ساتھ اور عورت عورت کے ساتھ شادی کی اجازت دے دی، بے پردگی و عریانیت کو عام کردیا، شراب کو حلال کرلیا، جوا اور ریس کے جگہ جگہ اڈے قائم کر کے لوگوں کو جوا کا عادی بنادیا، عورتوں کو ہوٹلوں اور کلبوں میں ننگا کر کے فلمی دنیا کو صنعت بنادیا، تعزیراتی قانون قتل کرنے، چوری کرنے، زنا کرنے، رشوت لینے پر قانون الٰہی کو بدل کر انسانوں کے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے سزا مقرر کردی، اغلام بازی کو جرم نہیں کہا، توحید کی جگہ شرک کو ملادیا، اللہ کی عبادت کے بجائے مخلوق کی بڑائی میں زندگی گذار رہے ہیں، زمین پر اللہ کا قانون نافذ کرنے کے بجائے انسانی قانون بنا کر اللہ کے ساتھ بغاوت کر رہے ہیں۔

امت مسلمہ کو بھی دوسری قوموں کے یہ سب حالات بیان کر کے اور دنیا کے تمام انسانوں کو بھی یہ تعلیم دی گئی کہ تم آسمان وزمین، پہاڑوں اور دوسری مخلوقات سے زیادہ اعلیٰ وعمدہ عقل وفہم رکھتے ہو اور وحی الٰہی کے احکام کو فطرت کے عین مطابق مانتے ہو، بنی اسرائیل کی طرح جاہل اور ظالم نہ بنو، اور ان کی طرح انصاف کو سمجھتے ہوئے ظلم والی زندگی اختیار نہ کرو، ورنہ تم فرشتوں سے اونچا مقام حاصل نہ کرسکو گے بلکہ دوسری مخلوقات سے بھی زیادہ گئے گذرے بن کر پستی میں گرادئے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے خلافت کو امانت بتلایا اور خلیفہ ہونے کی حیثیت سے پیغمبر اور وحی کے وارث سے تعبیر کر کے یہ اشارہ دیا کہ جس طرح انسان اپنے باپ دادا کی میراث کا حصہ بغیر کسی محنت وعمل کے حاصل کرلیتا ہے، اگر وہ میراث کا صحیح استعمال نہ کرے تو فقیر بن کر ذلیل ہوجاتا ہے، اسی طرح قرآن مجید، پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بغیر محنت و

مشقت کے حاصل ہو گیا، تو اس امانت کی حفاظت کرو اور اس کا حق ادا کرتے ہوئے پیغمبر کے نمائندہ بن کر کارِ نبوت کو ادا کر کے دوسرے تمام انسانوں کو یہ وراثت پہنچاؤ۔

☆ اگر انسان خلیفۂ زمین ہو کر، قرآن مجید پر ایمان رکھ کر، توحید کے ساتھ شرک کیا تو اس نے امانت کو ضائع کیا، اور خود امانت میں خیانت کی۔

☆ اگر انسان قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہوئے اس امانت کو اپنی اولاد رشتہ داروں اور دوسرے انسانوں میں منتقل نہ کر کے ان کو وارث نہ بنایا تو اس نے امانت کا حق ادا نہ کیا۔

☆ اگر انسان قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہوئے حلال کو حرام کیا اور حرام کو حلال کر لیا، اور اپنے اہل وعیال کو اس کی تعلیم نہ دے کر انہیں کتاب کا وارث نہ بنایا تو امانت کو ضائع کیا اور خیانت کی۔

☆ اگر انسان قرآن مجید پر ایمان رکھ کر اعمال صالحہ جان بوجھ کر اختیار نہ کرے اور دوسرے انسانوں کو اس کی دعوت وتعلیم نہ دے اور انہیں اعمال صالحہ کا وارث نہ بنایا تو اس نے امانت میں خیانت کی اور امانت کا حق ادا نہ کیا۔

☆ اگر انسان قرآن مجید پر ایمان رکھ کر اللہ کے قانون اور حیاتِ انسانی کے قانون کو زمین پر نافذ نہ کر کے انسانی قانون بنا کر حکومت کی تو وہ اللہ کا باغی خلیفہ بن کر اللہ کی امانت کو ضائع کرنے والا بنے گا، غدار وباغی کہلائے گا۔

اس لئے ایک ایمان والے پر لازم ہے کہ وہ خلیفہ زمین کے مقام کو سمجھے اور اللہ کی امانت کو سارے انسانوں تک پہنچا کر ان کو وارثِ انبیاء بتائے، ذمہ دار بنائے، اگر وہ یہ کام کرتا ہے اور امانت کی ذمہ داری سمجھتے ہوئے انسانوں کو گمراہی بغاوت نافرمانی سے نکال کر عبدیت وبندگی کی تعلیم دے کر وارث بنائے تو اللہ تعالیٰ بھی مرنے کے بعد اس کو جنت کا وارث بنائے گا، اس لئے مسلمانوں پر جو ذمہ داری امانت کی آتی ہے وہ دوسرے انسانوں میں منتقل کرے۔

مسلمانوں پر لازم ہے کہ قرآن کریم کے ذریعہ عبدیت وبندگی کی اس دولت پر خود

بھی عمل پیرا ہوں اور دنیا کے انسانوں تک اس پیغام کو پہنچانے کی محنت کریں، کیونکہ یہ امت انبیاء کے مقصد کی وارث ہے، اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد اس کو امانت کا وارث بنایا، انبیاء کا مقصدِ حیات انسان کو اللہ کی ذات اور اس کے احکامات سے واقف کروانا عبدیت و بندگی کی دعوت دینا ہے اور اللہ کی زمین پر اللہ کے قانون کو نافذ کرنا ہے۔

جو لوگ دنیا کی اس زندگی میں خلیفۂ زمین بن کر پیغمبر کی چھوڑی ہوئی وراثت کو دنیا کے انسانوں تک پہنچانے کی محنت کریں گے، اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ایمان والوں کو اس محنت پر جنت کا وارث بنائے گا۔

غور کیجئے کہ دنیا کا انسانی بادشاہ اپنے خادم و نوکر کی وفاداری اور خدمت پر اس کا دوست اور ولی نہیں بنتا اور نہ اپنی ملکیت میں سے اسے وارث بناتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ اپنے غلام اور بندوں کی وفاداری اور عبدیت و بندگی پر ان کا ولی اور دوست بن جاتا اور انہیں جنت کا وارث بنانے کا وعدہ کیا ہے، بیشک وہ سچا وعدہ کرتا ہے۔

یہ انسان کے لئے بہت بڑا اعزاز ہے، دنیا کا بادشاہ اپنے کسی نوکر اور غلام کو دوست نہیں کہتا اور نہ اس کا دوست بنتا ہے، مگر اللہ اپنے وفادار بندوں کو دوست بنانا چاہتا ہے، اور ان کا دوست بنتا ہے، پھر فرشتوں سے بڑا مقام و مرتبہ عطا کرنا چاہتا ہے اور فرشتوں جیسی مخلوق کو خدمت میں لگانا چاہتا ہے، یہ انسان کے لئے بہت بڑا اعزاز ہے، شیطان چاہتا ہے کہ آدمی کی اولاد اس مقام و مرتبہ سے محروم رہے اس کو یہ مقام و مرتبہ نہ ملے۔

دنیا کا کوئی بادشاہ اپنے نوکر و غلام کی وفاداری پر زیادہ سے زیادہ کچھ انعام عطا کرتا ہے، مگر مالک کائنات اپنے غلام و نوکر کو جنت کا وارث بنا کر عزت و مقام عطا کرنا چاہتا ہے، اس کی نعمتوں سے خاطر و تواضع کرنا چاہتا ہے اور عمدہ محلات و سہولتیں اور ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی اور اپنی رضا دینا چاہتا ہے، انسان جنت کا وارث بننے کے باجود اللہ ہی حقیقی مالک و آقا رہے گا، اور اللہ ہی کی نگرانی میں زندگی گذارے گا۔

☆☆☆☆☆